

# علامہ سلیمان ندوی

کے  
پیشہ دار  
خطبات  
سائنس کا  
مجموعہ



مترجمہ  
ڈاکٹر اناسیہ سلیمان ندوی  
مجاہدہ علامہ سلیمان ندوی

مجلس نشریات اسلام

1. کے 3. ناظم آباد مینشن. ناظم آباد 1 کراچی 74600

# فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۵	عرض مرتب ڈاکٹر مولانا سید سلمان ندوی	۱
۹	اشتراکیت اور اسلام	۲
۲۷	رسول و حدت	۳
۵۹	ایمان	۴
۹۳	خدا کا آخری پیغام	۵
۱۲۵	سنت	۶
۱۵۹	عرب و امریکہ	۷
۱۹۵	سفر گجرات	۸
۲۱۷	تقریر مشرقی پاکستان	۹

## عرض مرتب

ڈاکٹر مولانا سید سلمان ندوی صاحب

(ڈربن، جنوبی افریقہ)

(صاحبزادہ علامہ سید سلیمان ندوی)

مولانا فضل ربی ندوی صاحب مجلس نشریات اسلام کراچی اپنے علمی ذوق کی تکمیل کے لئے اپنے کاروبار تجارت کے علاوہ علمی کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ استاد مکرم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی اشاعت ایک عرصہ سے کر رہے ہیں۔ اسی طرح والد ماجد حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ اب وہ والد ماجد کے چند منتخب مضامین کا ایک مجموعہ ”علامہ سید سلیمان ندوی کے چند خطبات و رسائل کا مجموعہ“ کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ مضامین ایک عرصہ ہوا دارالمصنفین اعظم گڑھ کے مجلہ معارف میں شائع ہوئے تھے، چونکہ یہ مضامین موجودہ حالات کے تناظر میں اہمیت کے حامل ہیں اس لئے دوبارہ یکجا مرتب کر کے شائع کئے جا رہے ہیں۔ سنت کے موضوع پر یہ مضمون آج بھی ویسا ہی اہم ہے جیسا اس وقت تھا۔ اسی طرح امریکہ کی دریافت کے سلسلہ میں عام تصور

یہ ہے کہ کولمبس نے دریافت کیا تھا۔ والد ماجد نے اس موضوع پر مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ عرب امریکہ کو کولمبس سے پہلے دریافت کر چکے تھے اور عرب ملاح امریکہ کی نئی دنیا سے واقف تھے۔

والد ماجد کا سفر گجرات تاریخی اہمیتوں کا حامل ہے۔ ہندوستان میں یہ اسلام کے تعارف و داخلہ کے سلسلہ میں اُن کا سفر گجرات تاریخی حقائق کی نقاب کشائی اور نشاندہی کے تناظر میں اہم اور دلچسپ ہے۔

مُل پاکستان مجلس تاریخ (All Pakistan Historical Society) کا سالانہ اجتماع فروری ۱۹۵۳ء میں مشرقی پاکستان مرحوم کے دارالسلطنت ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا۔ اُس کا کلیدی خطبہ والد ماجد نے دیا تھا۔ اس خطبہ میں مشرقی پاکستان والوں کو بتایا گیا تھا کہ انگریزوں کی ہندوستان آمد کے وقت تک بنگالی کا رسم الخط فارسی و عربی تھا اور ساتھ ہی یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ پاکستان میں یکجہتی و اتحاد کے لئے اور پاکستان کی مختلف زبانوں کے بولنے والوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کے لئے بنگالی کا رسم الخط ہندی کے بجائے دوبارہ عربی کر دیا جائے۔ مثلاً سندھی کا رسم الخط عربی ہونے کے باعث اس زبان سے ناواقف حضرات بھی کچھ نہ کچھ اُنسیت رکھتے ہیں اور اس کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بنگالی کا رسم الخط اگر عربی کر دیا جائے تو بنگالی زبان پر جو سلطنت و ہندو تہذیب کا اثر ہے وہ ختم ہو کر اسلامی تہذیب و تمدن میں ڈھل جائے گی۔ اس خطبہ کے بعد مشرقی پاکستان کے اس وقت کے تناظر میں بنگالی زبان کے قوم پرستوں نے سخت احتجاج حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خلاف کیا تھا اور اس مشورہ کو قبول نہیں کیا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے عناصر میں ایک عنصر زبان کی اجنبیت بھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مضامین کا دوبارہ مطالعہ کیا جائے تاکہ ان مختلف مسائل کا استخراج تاریخی حقائق کی روشنی میں ہو سکے۔

اشتراکیت و اسلام کا موضوع آج بھی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ آج بھی اس نظریہ پر بحث جاری ہے۔ آج امت مسلمہ کا سب سے بڑا مرض ایمان و ایقان کی کمزوری ہے۔ ایمان کے موضوع پر مسلم یونیورسٹی علیگزہ میں اُن کی تقریر ایمان افروز ہے اور قابل توجہ ہے۔

مجلس نشریات اسلام والد ماجد کی کتابوں کے بھی ناشر ہیں۔ اُمید ہے کہ انشاء اللہ اُن کی ایسی کتابیں جو اس وقت معقود الطبع ہیں۔ مجلس نشریات اسلام اُن کے دوبارہ اشاعت کا اہتمام کرے گی۔ علیہ توکلت والیہ الیب



سید سلمان ندوی

(کراچی پاکستان)

۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء



# اشتراکیت اور اسلام





## اشتراکیت

خطبہ مسنونہ کے بعد

حضرات آج شب کے لئے جو عنوان رکھا گیا ہے اس کے متعلق مجھے کچھ اظہار خیال کرنا ہے۔ یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ دنیا میں جماعتیں اور قومیں کسی خاص اصول پر بنتی ہیں۔ اور وہ اصول زیادہ تر ذہنی۔ فکری اور نظری ہوتا ہے۔ مثلاً آپ دیکھیں گے کہ اس دنیا میں جو انسان آباد ہیں۔ ہر انسان علیحدہ علیحدہ ہے۔ ایک ملک کے انسانوں کا دوسرے ملک کے انسانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن جماعتوں اور قوموں کے لئے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی ایسا عقیدہ قائم کیا جائے کہ اس عقیدہ میں سب کے سب شریک ہوں۔ سب ملکر اس کو وحدت میں بدل دیں۔ جب تک جماعتوں میں یہ نہ ہو کوئی بڑا کام انجام نہیں پاتا۔

کسی کو کوئی ملک فتح کرنا ہے۔ تو ایک ایک سپاہی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ سپاہیوں کی فوج بناتے ہیں اور سپاہیوں کی فوج بنانے کے لئے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ حکومت کے قانون کے مطابق خیال کے مطابق نظریہ کے مطابق وحدت قائم کی جائے۔ اور پھر فوجوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ اور یہ نام اس لئے رکھے جاتے ہیں کہ مختلف افراد کے درمیان اشتراک پیدا ہو جائے۔ اس وقت دنیا میں مختلف قوموں کی مختلف فوجیں ہیں۔ اور ان کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں۔ فوج کے سپاہیوں کی انفرادی حیثیت کو نکال کر جماعت کی شکل دیکر نام رکھے جاتے ہیں۔

اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں مختلف قومیں آباد ہیں ان کی سلطنتیں اور حکومتیں ہیں۔ لیکن جماعت کیلئے قومیت کیلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک مطلب ہو۔ ایک غرض ہو۔ ایک عقیدہ ہو۔ جو ایک رشتہ میں باندھ کر ایک بنادے۔ اور اسی اصول پر دنیا کی ساری قومیں عمل کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں

پاک قوم کو مغلوب فرمایا۔ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔

مفسرین نے اور خود قرآن پاک سے ثابت ہے کہ یہ قوم یہود تھی؟ جیسا کہ سورہ فاتحہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے غضب نازل کیا سورہ فاتحہ کو ہر شخص نماز میں پڑھتا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ لے پروردگار ہم کو اس راستہ پر چلائیے جس پر چلنے والوں پر تیرا انعام ہو۔ اس پر نہیں جس پر تیرا عذاب غضب نازل ہوا۔ یا جو گمراہ ہوئے جن پر عذاب نازل ہوا وہ یہود تھے۔ بنی اسرائیل تھے۔ حالانکہ یہ وہ گروہ ہے جس سے انبیاء پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کو مغضوب علیہم فرمایا ہے۔ ان سے ہمیشہ کیلئے نوعیت ملت کی اور ولایت قبلہ چھین لی گئی۔ جس میں سینکڑوں انبیاء پیدا ہوئے۔ جن کو فضیلت عطا فرمائی تھی۔ انہیں کو مغضوب فرمایا۔

اس کی کیا وجہ تھی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اللہ کے احسان کی قدر نہیں کی نافرمانی کی وہ کسی قسم کی ہدایت قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ اور ان کے دل سخت ہو گئے۔

محمد صلیم کی بعثت تک کا زمانہ ہدایت اختیار کرنے کے لئے مہلت کا زمانہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل سے نبوت ولایت چھین لی گئی۔ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل کو سپرد کی گئی قرآن پاک میں ذکر آیا ہے محمد صلیم کی بعثت تک کا زمانہ آخری مہلت کا زمانہ تھا۔

مگر انہوں نے ہدایت قبول نہیں کی۔ اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔

معراج کی رات محمد صلیم کی نبوت کا اعلان بیت المقدس میں ہوا کہ یہ آخری نبی ہیں۔ سارے انبیاء کی امامت حضور پر تمام ہوئی ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ حضور کی نبوت تک بنی اسرائیل کو ہدایت پکڑنے کے لئے مہلت دی گئی تھی۔ جس

کو انہوں نے کسی صورت سے بھی قبول نہیں کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل فرمایا۔ یہ غضب و عذاب اس قوم پر نازل فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ بہت فضیلت والی تھی (انی فضلتکم علی العالمین) جو سارے عالم پر فضیلت والی تھی۔

دنیا میں دو قسم کے لوگ ظاہر ہوئے ایک انبیاء ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت پا کر مخلوق کی رہنمائی کی دوسرا گروہ فلاسفوں کا ہے۔ جو مادی راستوں سے حقائق تلاش کرتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ دنیا میں ظاہر ہوئے۔ حکماء اور انبیاء۔

انبیاء تو اپنے روحانی فیوض و برکات کی وجہ سے انسانوں کی رہنمائی فرماتے ہیں اور وحی الہی سے رہنمائی فرماتے ہیں۔

اور حکماء اپنے غور و فکر کی وجہ سے دنیا کی رہبری کرنا چاہتے ہیں۔ آج دنیا میں اللہ کا جو نام باقی ہے تو وہ انبیاء کا فیض ہے۔ انبیاء کی ہدایت اور رہنمائی کا نتیجہ ہے۔ حکماء کا نہیں۔

اکثر حکماء تو اللہ کے انکار کی طرف مائل ہیں مگر کوئی نبی ایسا نہیں ہے۔ جس نے اللہ کے سوا کسی کی دعوت دی ہو۔

انبیاء نے سیدھی راہ بتلا دی اگر دنیا میں کہیں راست گوئی ہے۔ حق پرستی ہے جھوٹ کے گناہ کا احساس ہے دیانت ہے۔ امانت ہے۔ چاہے وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہو جنگل میں چاہے پہاڑ میں چاہے صحرائیں گاؤں میں شہر میں تو یہ انبیاء کی وجہ سے ہے۔ یہ چیزیں حکماء کی وجہ سے نہیں آئیں۔ لیکن یہودی تھے جنہوں نے سب سے پہلے انبیاء کے راستہ کو چھوڑ کر نبوت کی تعلیم کو چھوڑ کر اپنا راستہ تلاش کیا۔ اور یونان کے فلسفیوں کے راستہ کو اختیار کیا۔ خود بھی اختیار کیا۔ اور دوسری قوموں کو بھی اختیار کرنے کی تعلیم اور ترغیب دی۔ حضرت عیسیٰ جو انجیل لے کر آئے تھے۔ اس کو

یہودیوں نے مٹانا چاہا اگرچہ ان کے پاس آزاد سلطنت نہ تھی۔

معمولی سی سلطنت روم کے ماتحت تھی انہوں نے بخبری کی کہ یہ ایسے ہیں۔ ہنگامہ برپا کیا اور موجودہ انجیل کے مطابق انہوں نے حضرت عیسیٰ کو گرفتار کر لیا۔ ان کو پھانسی کا مستحق قرار دلوایا۔ مگر مجھے یہاں اس وقت اس سے بحث نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ توحید کی تعلیم کے لئے دنیا میں آئے تھے۔ تثلیث وغیرہ غلط تھا۔ مگر ان کی تعلیم میں داخل نہ تھے۔ لیکن وہ یہودی تھے۔ جنہوں نے انجیل کو مٹایا موجودہ عیسائیت کی تشکیل کی۔ ان کا شیوہ ہے۔ کہ اب دین حق کو اپنی نوعیت سے برباد نہیں کر سکتے تو سازشوق سے برباد کر دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کا سب سے بڑا مخالف سنٹ پال تھا۔ مشہور مقولہ ہے کہ عیسائی مذہب پال کی تعلیم و تلقین سے ہے۔ حضرت عیسیٰ کا آخری وقت تک مخالف رہا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ میں جنگل میں سے آ رہا تھا کہ ان کی روح اتری اور اس نے کہا کہ اے پال اے پال کب تک مجھ کو تکلیف دو گے۔ اور ان کی طرف سے بولتا ہوں تغلیت اس نے پھیلائی وہ اس سے خوش ہوا کہ اس نے حضرت عیسیٰ کے مذہب کو خراب کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ محمد صلعم کے زمانہ میں یہودیوں نے ہر قسم کی کوششیں کیں لڑائیاں کیں مقابلے کئے کہ اسلام کو منادیں لیکن اللہ نے ان کو ناکام کیا یہاں تک کہ خیبر تک سے ان کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور وہ اسلام کی ترقی کو نہیں روک سکے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں عبداللہ ابن سہابی یہودی ظاہر ہوا اور اس نے فتنہ برپا کر دیا حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور وہ کامیاب ہو گیا اسی وجہ سے مسلمان آج تک دو فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اسی کا سبب ہے۔ جو گروہ کہ انبیاء کے لئے تھا اور ان کی دعوت کے لئے تھا۔ وہ اس کی تردید کے لئے وقف ہو گیا۔

یہود میں ایک شخص سامری نام نے مجھڑا سونے کا بنایا اور کہا کہ یہ ہمارا خدا

ہے۔

مصر میں مجھڑے کی عبادت ہوتی تھی وہاں گئو سالہ پرستی تھی۔ اس لئے سامری نے سونے کا مجھڑا بنا کر کہا کہ یہ ہمارا خدا ہے، جب حضرت موسیٰ کو وہ طور سے واپس آئے تو اس کو توڑ دیا۔ اس کے بعد محمد صلیم پر قرآن پاک نازل ہوا۔ اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے کہ واشربوا فی قلوبہم العجول یعنی یہود کے دلوں میں اس ہی وجہ سے مجھڑے کی محبت دی گئی ہے، جس طرح ہندوستان میں بٹھے وغیرہ قسم کے بہت سی قومیں ہیں جو سودی کاروبار کرتی ہیں۔ اسی طرح ہرے یورپ میں وہاں کے کاروباری بٹھے یہودی ہیں۔ یہودیوں نے دنیا کے دولت روپے پیسہ کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ یہ قوم اپنے دماغی لحاظ سے بہت اونچی ہے۔ لیکن تعداد کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ اس لئے وہ چاہتی ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں اپنی طاقت قائم کرے۔ اور وہ اپنی دولت کی وجہ سے دنیا کے ہر ملک میں چھا جاتی ہے بڑی سے بڑی سلطنت کو قبضہ میں کر لیتی ہے۔ مختلف زمانوں کے اندر یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

جن لوگوں نے افسانے پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے قرض کے بدلے میں مقروض کے جسم سے گوشت کا لو تھڑا کاٹ لیا تھا۔ عیسائی ہی اس افسانہ کا مصنف ہے، اپنی خصلت کو یہ خود خوب جانتے ہیں۔ یہ اپنی دولت کی وجہ سے ساری دنیا میں پھیلے مگر جب دوسری قوموں نے ان کی حرکتوں کو دیکھا اور سمجھا کہ ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے تو وہ ان کو تباہ کرنے پر تل گئیں۔

پچھلے زمانہ کا واقعہ ہے کہ جرمنی سے نکالے گئے۔ جرمنی نے کہا کہ انہوں نے غداری کی ہے۔ اتحادیوں کی فتح کے لئے اپنی قوت صرف کرتے ہیں۔ یہ ساری دنیا کو اپنی دولت کی وجہ سے زیر دست بناتے ہیں۔ جب انہوں نے فلسطین حاصل کیا تو

شاید یہ سمجھے کہ انہوں نے طاقت سے حاصل کیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے روپیہ چھاکر حاصل کیا۔ یورپ کی سلطنتیں ان کی مقروض ہیں اس وجہ سے وہ مجبور ہیں کہ ان کی مدد کریں۔ امریکہ کی آزادی سے انہوں نے فائدہ اٹھایا کارخانہ داریاں قائم کیں۔ اس زمانہ میں ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ یہودیوں کے بغیر کوئی کاروبار کر سکیں۔

یورپ کی تاریخ جاننے والے جانتے ہیں کہ یورپ میں جو انقلاب پیدا ہوا۔ اس کے ہمراہ یہودیت کا ہاتھ کام کرتا رہا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سب ان کی سازشوں کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ یہ انقلاب پسند واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک انقلاب کے بعد شاید دوسرا انقلاب ہمارے لئے مفید ثابت ہو۔ زمانہ جنگ میں دنیا مصیبت میں مبتلا ہوتی ہے۔ لیکن ان سے حکومتیں قرض لیتی ہیں تاکہ اپنے آپ کو کامیاب کر سکیں۔ زمانہ اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ جو آدمی آج لاہور میں ہے وہ کل فرانس میں ہو سکتا ہے۔ جو فرانس میں ہے یا کہیں ہے ایک ہفتہ میں ساری دنیا میں جا سکتا ہے۔ دنیا کے سارے بڑے بڑے کاروبار یہودیوں کے ہاتھوں انجام پارہے ہیں۔

اشتراکیت کیونکہ جو ہے اس کا بانی مارکس یہودی تھا۔ وہی اس خیال کا بانی تھا۔ جمہوریت کا تحفیل بھی انہیں کی پیداوار ہے جس میں سارا معاملہ انتخاب کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

آپ ہیڈ ماسٹر صاحب کو راضی کر لیں۔ ڈائریکٹر تعلیمات کو راضی کر لیں۔ پھر صاحب کو راضی کر لیں بس لاکھوں آدمی آپ کو رائے دیں گے ووٹ دیں گے۔ اس کا تجربہ آپ کو لاہور کے انتخابات میں خود بھی ہوا ہو گا۔ کہ ایک کارخانہ دار کو راضی کر لینے سے کتنے ہزار مزدور آپ کو ووٹ دیتے ہیں۔ ووٹ دینے کے لئے آپ لاکھوں آدمیوں کو اس طرح تیار کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہاں ہے کہ ایک یہودی

کارخانہ دار کو راضی کر لینے سے بہت سا کام ہو جاتا ہے امریکہ، لندن اور بڑی جگہوں میں یورپ میں یہودیوں کے بہت بڑے بڑے کارخانے اور کاروبار ہیں۔ کسی ایک فرم کو راضی کر لیجئے لاکھوں ووٹ مل جائیں گے بائرباوقار اور مالدار لوگوں کو قبضہ میں رکھا جائے تو پھر ووٹ لاکھوں کی تعداد میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ پچھلے الیکشن میں امریکہ کے پریذیڈنٹ نے جوینی فیشو (منشور) شائع کیا تھا۔ اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ یہودیوں کے معاملات کی پوری طرح سے مدد کی جائے گی دیکھئے اگرچہ یہود بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ مگر ان کو راضی کرنے کے لئے امریکہ کا صدر منشور میں یقین دلارہا ہے کہ ان کے معاملات میں ان کی مدد کی جائے گی۔ اس سے آپ کو معلوم ہوا کہ یہودیوں کا جال ساری دنیا میں بچھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کے صدر کو بھی ان کو راضی رکھنے کی ضرورت ہے۔ جو لادینی حکومت کھاتی ہے۔ سیکولر اسٹیٹ ہے۔

اس وقت دنیا میں تین قسم کی حکومتیں ہیں۔ بڑی حکومتیں عیسائیوں کی ہیں۔ یہ بڑی طاقتیں ہیں۔ ان کے بعد مسلمانوں کی حکومتیں ہیں۔ عیسائیوں کے دو حصے ہیں۔ ایک پروٹسٹنٹ اور دوسرا کیتھولک انگریز ملک اپنے آپ کو پروٹسٹنٹ کہتے ہیں۔ یورپ کے مغربی ممالک کیتھولک ہیں جہاں کمیونزم کا زور ہے۔ یہودی فلسطین کو اتنا بڑھانا چاہتے ہیں کہ سارے عرب کو ہضم کر لیں یہاں تک کہ حضورؐ کے زمانے میں جو خیبر وغیرہ ان کے قبضہ سے نکلا تھا۔ اس پر بھی قبضہ کر لیں۔

یہ تینوں حکومتیں نظریوں اور عقیدوں پر قائم ہیں۔ بظاہر ان حکومتوں کی بنیاد قومیت اور وطنیت پر ہے۔ مگر حقیقت میں قومیت پر نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اندر ایک فکر کی وحدت ہے نظریہ کا اتحاد ہے۔ روس میں کمیونزم کی وجہ کیا ہے۔ پہلے روس میں زار کی حکومت جو تھی وہ ترکستان سے لیکر فن لینڈ تک تھی۔ اس میں مختلف قومیں، نسلیں، زبانیں، مذاہب تھے زار کی حکومت ظلم و ستم پر قائم تھی۔ ساری قوموں کو تلوار

کے زور سے ایک شہنشاہی کا غدار بنایا گیا تھا۔ روس کے رہنما جوتھے۔ وہ اس بات کے خواہش مند تھے۔ کہ اس شہنشاہی کو زور و قوت کے جائے کسی عقیدہ کی بناء پر قائم کیا جائے۔ اس کے لئے ان کو مارکس کے اصول پسند آئے۔ انہوں نے ان کو قبول کیا حالانکہ وہاں مختلف زبان کے لوگ تھے۔ مختلف مذاہب آباد تھے۔ تاہم اس نظریہ کی وحدت سے ان کے خواہش کے مطابق روسی شہنشاہی، شہنشاہی بن کر قائم ہو گئی۔ اور ان کا یہ انقلاب 18-1917ء میں کامیاب ہو گیا۔ فوج نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ روسیوں نے اپنی قوموں کو متحد کر کے بزور شمشیر انقلاب پیدا کر دیا۔ اقتصادی نظام کے ذریعہ انہوں نے اپنی تمام قوموں کو ایک رشتہ میں پرو دیا۔ بظاہر یہ ایک اقتصادی نظام زندگی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ بھی ایک مذہب ہے۔ انہوں نے ہر قوم کو آزادمان کر ان کی الگ الگ جمہوریتیں قائم کیں۔ ہر ایک کی اپنی زبان ہر ایک کی اپنی تہذیب، اس طرح انہوں نے روسی شہنشاہیت قائم کر دی اس طرح روسی شہنشاہیت نے اپنے لئے نیا پیغام نیا راستہ پیدا کر لیا۔ روسی شہنشاہی کی ایک انچ زمین بھی باہر نہیں گئی۔ اور سب باشندے بظاہر خوشی سے جمع ہو گئے۔ روسی ترکستان سے کریمیا لو تک سب روسی پرچم کے نیچے جمع ہیں۔ وہاں دس بارہ سلطنتیں قائم ہیں وہ اپنی اپنی زبان کو استعمال کرتے ہیں۔ جو شخص چاہے نماز پڑھے جو نہ چاہے نہ پڑھے۔ بظاہر کوئی گرفت نہیں کی گئی نمازیں قائم ہیں۔ مگر دعوت دین اور خدا پرستی کی تبلیغ اور دعوت کی اجازت نہیں ہے۔ انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو انگریزوں نے اختیار کیا تھا ان کے یہاں بھی ہماری طرح نوجوان پیدا ہو رہے ہیں مگر ظاہر ہے کہ وہ کس قسم کے ہوں گے۔ ہندوستان میں کانگریس نے وطنیت کا جذبہ پیش کیا۔ اس کی یہ مدح خوانی مختلف طریقوں سے ہو رہی ہے اس کی دعوت کئی کئی طرح سے ہو رہی ہے۔ حالات ایسے ہیں جس کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہو رہی ہے۔ کالجوں میں طلباء اور طالبات آزادی کی



راہ پر گامزن ہیں۔ ماسکو سے ہزاروں میل دور رہنے پر روس کی زندگی کے خواب دیکھتے ہیں۔ وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور دوسری طرف کمیونسٹ بھی بٹتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان کو کمیونسٹ کہنا ایسا ہی ہے۔ جیسے یہودی مسلمان اور عیسائی مسلمان کیونکہ بالشوٹک صرف اقتصادی نظام نہیں ہے بلکہ وہ خود ایک مستقل مذہب ہے۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک عقیدے میں منسلک ہیں۔ جیسے اسلام خدا کے نام پر مذہب ہے۔ یہ بے خدا کے مذہب ہیں۔ یعنی اللہ کے احکام کی وحی کی انبیاء کی نفی کی جائے۔ مادی فلسفہ کو فروغ دیا جائے جائے اس کے کہ خدا کی عبادت کی جائے۔ فلاسفوں کی عبادت کی جائے۔ سب سے بڑی چیز کھانا ہے پیٹ کی مار ساری دنیا کو ہے انہوں نے منزل مقصود پیٹ کو بتایا ہے۔ کیونکہ ہر انسان کو اس کی ضرورت ہے۔ انہوں نے بھی نعرہ لگایا ہے۔

اس کے مقابلہ میں سرمایہ دار قوموں نے سرمایہ دارانہ نعرہ لگایا ہے۔ ہم لوگ جو مشرقی ہیں۔ ان کے نعروں کا اعادہ کر رہے ہیں۔ ہمارے وزراء کی زبان سے بھی سنا ہو گا کہ ہم لوگوں کا معیار زندگی بڑھائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کھانے پینے کو ملے یہ بے جانے بوجھے رٹ لگائی جا رہی ہے یہ حقیقتاً جواب ہے۔ کمیونسٹوں کے نعروں کا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت ہمارے کھانے پینے کا انتظام کرے گی۔ ہم تو سرمایہ داروں کے جوائی نعرے کی نقالی کرتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کسی قول کو دہرایا جائے۔ مجھے اپنے بچپن کی بات یاد آتی ہے کہ ایک دیوان میں پڑھا تھا شعر یاد نہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ جب انسان کا ایک کام ہو جائے تو پھر اس کی ضرورت پڑتی ہے ایک کے بعد دوسری پھر تیسری چوتھی۔ اسی طرح انسان بتائے غرض و مطلب ہو کر رہ جاتا ہے۔ میرے استاد نے وضاحت سے مطلب یہ بتلایا تھا کہ تمہارے پاس سواری نہیں ہے۔ سواری کے لئے گھوڑا خرید لیا اب ایک چیز

کے بعد دوسری چیز کی ضرورت پیدا ہوئی کہ دانے گھاس کے لئے سائیں ہو۔  
 اسی طرح یہ ہے کہ آپ کا معیار زندگی بڑھایا جائے گا کہ آپ کو چائے بھی  
 پلائی جائے گی پھر میز کرسی کی ضرورت پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے  
 گا۔ انسان اگر یہ چاہے کہ ساری دنیا پر بھی وہ خاموش ہو جائے تو ممکن نہیں۔  
 حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز  
 نہیں بھر سکتی۔

معیار زندگی کو بڑھانے کے لئے آپ دیکھتے ہیں کہ مل والے اسٹرائک کرتے  
 ہیں۔

میں بھوپال میں تھا۔ مل کے مزدوروں نے اسٹرائک کیا اور عوام سے چاہا کہ  
 مدد کریں تو عوام نے کہا کہ ہم تمہاری مدد کر کے کیا کریں گے جو لٹھ 4 آنے گز آج ملتا  
 ہے وہ کل ساڑھے چار آنے بننے لگے گا۔

اگر آٹھ روپیہ روز ملتے ہیں اور پھر سولہ ملنے لگیں تو بھی وہ اپنے بیوی بچوں  
 کو لے جا کر نہ دیں گے بلکہ اب اگر ہفتہ میں دو مرتبہ سینما دیکھتے ہیں تو پھر چار مرتبہ  
 دیکھنے لگیں گے اگر پہلے دس پیالی چائے روز پیتے تھے تو پھر بیس پینے لگیں گے گھر لے  
 جا کر نہیں دیں گے تجربہ اس کا شاہد ہے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ یہ جو نعرہ لگایا جاتا ہے کہ بالشونگ حکومت نے زمین کا  
 مالک کاشتکاروں کو بنا دیا ہے بالکل غلط ہے وہاں تو ایسا ہے کہ جتنا غلہ پیدا ہو وہ سب  
 حکومت کا ہے۔ چاہے لوگ بھوکے مریں۔

اور ہمارے ہندوستانی اور پاکستانی نوجوان بیس سے بیٹھے ہوئے ”ارض ماسکو“  
 کو سلام بھیجتے ہیں۔

ایک کتاب جو انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہو گئی ہے۔ اس کو لکھنے والا روسی

ہے۔ روسی سفارت خانہ کے ساتھ امریکہ بھیجا گیا ہے۔ وہاں جا کر وہ روسیوں کا ساتھ چھوڑ کر امریکی ہو گیا اور اس نے انگریزی میں کتاب لکھی ہے۔ اس کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاشٹکاروں پر کتنا ظلم روس میں ہو رہا ہے وہاں یہ قاعدہ ہے کہ سارا غلہ حکومت کے پاس جمع کیا جائے اور کسی کو نہ دیا جائے ایک تولہ بھی کم نہ ہو چاہے لوگ بھوکے مرتے رہیں۔ اور حیرت انگیز قصے بیان کئے ہیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ شاعر اسلام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے کلام کے اندر یہ چیزیں ہیں۔

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ

جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹاؤ

کیا یہی وہ اقبال ہیں جو اسلام کا گانا گاتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ بالشوٹک ازم کی تعریف میں قصائد لکھتے ہیں۔

انقلاب۔ اشتراکیت۔ کسان، مزدور، عرق پسینہ کا ذکر کرتے ہیں یہ نیا ادب ہے۔

میں نے ایک مشاعرہ میں اس قسم کی نظم سن کر یہ کہا تھا کہ آپ لوگ پرانے شاعروں پر تو اعتراض کرتے تھے کہ حسن و عشق گل و بلبل کی رٹ لگاتے ہیں تم نے نئے الفاظ گھڑ لئے ہیں۔ انقلاب، مزدور، کسان، مزدور کی لڑکی تم مزدوروں کی مدد نہیں کرتے بلکہ اپنی لیڈری چاہتے ہو۔ مسلمان حکومتوں میں اشتراکیت کا پرچار کیا جاتا ہے۔

ایک اخبار میاں سے نکلتا ہے۔ کبھی کبھی پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے پہلے صفحہ پر تو کلمہ لا الہ الا اللہ ہوتا ہے۔ مگر دوسرے صفحہ پر بالشوٹک کا قصیدہ، یہ کیا تضاد ہے جو اخباروں میں نظر آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان تو مسلمان دوسری چیز پر

لائے ہیں۔ لیکن اخباروں کو پچنے کے لئے دوسرا طریقہ بھی اختیار کرتے ہیں۔  
 بالشونیک نے اشتر کی نظام اپنے پیٹ کو رکھ کر بنایا ہے مارکس کی کتاب ان کا  
 صحیفہ ہے۔ سرمایہ داروں نے اقوام متحدہ بنائی ہے۔ اتحادیوں کا منشور جو ہے۔ وہ ان کا  
 صحیفہ ہے مگر عمل کے لئے نہ وہ عمل کرتے ہیں۔ نہ یہ کرتے ہیں لیکن آوازیں لگاتے  
 ہیں۔ نعرے لگاتے ہیں مگر مسلمانوں کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان کا کوئی نعرہ ہے  
 نہ کوئی دعوت ہے۔ نہ صحیفہ ہے اسلامی ملکوں کا زیادہ حصہ اتحادیوں کے قبضہ میں ہے۔  
 انہوں نے اقوام متحدہ کے منشور پر بھی دستخط کر دیئے ہیں اور اسلام کا خواب بھی دیکھتے  
 ہیں۔ چاہے اس میں مصر ہو۔ چاہے شام ہو چاہے انڈونیشیاء ہو۔ ہندوستان ہو یا  
 پاکستان ہو ہر جگہ یہ تضاد ہے۔

میں نے انگریزی کا ایک اخبار پڑھا تھا۔ پاکستان آنے سے پہلے اس میں پاکستان  
 کے متعلق لکھا تھا کہ پاکستان عجیب تذبذب میں مبتلا ہے۔

ایک طرف تو وہ اسلامی دستور بنانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف برٹش پارلیمنٹ کے طریقہ  
 کی نقل کرنا چاہتا ہے۔ اور دونوں کو جمع کرنا اتنا مشکل ہے کہ اس سے عہدہ برآں ہونا  
 ناممکن ہے اس سے معلوم ہوا کہ انگریز دماغ بھی اس تضاد پر غور کرتا ہے۔ مسلمانوں  
 کی حکومتیں جو دنیا میں ہیں۔ اسی مانٹو لیا میں مبتلا ہیں۔

کیونکہ رعایا مسلمان ہے۔ اس لئے اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن وزراء اور  
 حکومت جمہوریت پر عقیدہ رکھتے ہیں دونوں کیلئے یہ ملغوبہ فکر کا باعث بنا ہوا ہے۔ حالانکہ  
 جس طرح بالشونیکوں اور اتحادیوں نے اپنے اپنے الگ نظریے اور نظام قائم کر لئے ہیں  
 اور اس میں یہ نہیں دیکھا کہ یہ کس کے خلاف اور کس کے موافق ہے۔ اسلامی  
 حکومتیں بھی اس طرح کامیاب ہو سکتی ہیں کہ بغیر یہ سوچے ہوئے کہ دوسرے کیا  
 عقیدہ رکھتے ہیں۔ اپنا وہ نظام ہدایت جو محمد صلم نے پیش کیا ہے اس کو قبول کریں اور

پوری طرح سے عمل کریں۔

بالٹونک نے فرانس کو خوش کرنے کی کوشش نہیں کی اتحادی اقوام نے منشور بنایا تو انہوں نے یہ کوشش نہیں کی کہ اس سے بالٹونک خوش ہو جائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کے نظریے کو خوش نہیں کر سکتا۔ جب تک ہم تضاد کی زندگی سے باہر نہیں آجائیں گے۔ ہم اپنے نظام کو اپنی ملت کے مطابق نہیں بنا سکتے۔

حضرات آپ سب کو معلوم ہے کہ اسلام کی بنیاد حکم پر ہے۔ اور اس وقت دنیا کی ہر چیز انقلاب پذیر ہے تغیر پذیر ہے۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں تغیر نہ ہو رہا ہو۔

بالٹونک نے پیٹ کو قبلہ بنایا ہے یہ بھی بدل سکتا ہے کہ ہم نے جتنا پیٹ پیٹ پکارا اتنا ہی دنیا کا حال خراب ہو رہا ہے۔

بالٹونکوں نے پیٹ کی پکار شروع کی تو دنیا میں غلہ کا کال پڑ گیا۔ ہر جگہ غذا کی وزارتیں قائم کی گئیں۔ یورپ کی قوموں کی تواریخ کو ایشیاء کی تاریخ کو مصر و یونان اور مسلمانوں کی تواریخ کو پڑھ ڈالو کہیں وزیر غذا کا پہلے پتہ نہیں چلے گا دنیا نے پیٹ پیٹ پکارا اور جو عقیدہ پیٹ کا رکھتے تھے وہ سب اس میں مبتلا ہو گئے۔ غلہ دنیا سے کم ہوتا جا رہا ہے ساری دنیا پر پیٹ چھا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے آپ کو رازق کہا ہے۔ لیکن آج کا فلسفہ یہ ہے کہ حکومت کے ہاتھوں میں رزق ہے (و مامن دابة فی الارض الا علی اللہ رزقہا کی جگہ علی المکرمہ رزقہا) کی پکار ہے۔

ہندوستان کے غلہ کی حالت آپ کو معلوم ہے اور انگریز کے زمانہ میں غلہ کی کیا حالت تھی۔ جیسے جیسے پیٹ پکارا جانے لگا۔ زمین کی برکت غائب ہو گئی۔ جو کوشش کی جاتی ہے الٹی پڑتی ہے۔

حضرات۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جو نظریہ اور نظام محمدؐ صلعم کے ذریعہ سے آیا ہے اس کو اپنائیں۔ اور اس پر عمل کریں۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے دوسری قوموں کو بھی ہدایت عطا فرمائے۔

ہمارے یہاں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قحط پڑا تھا۔ مدینہ طیبہ میں اس کو عام رماہہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اول تو ان کا کھانا ہی کیا تھا انہوں نے سالن چھوڑ دیا۔ اس کے بعد مصر کے گورنر (عمرو بن العاص) کو حضرت عمرؓ نے غلہ کے لئے خط لکھا انہوں نے غلہ بھیجا۔ اور لکھا کہ میں غلبہ بھیج رہا ہوں اتنا غلہ بھیجتا ہوں کہ قطار کا ایک اونٹ مدینہ طیبہ میں ہو گا اور اس کا آخری اونٹ مصر میں۔ دیکھئے انتظام اس کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (فی السماء زرعکم و ماتو عدون) کہ آسمانوں میں تمہارا رزق ہے۔ زمین تو بے شک آپ کے پاس ہے آپ زمین کو قابل کاشت بنا سکتے؟ لیکن پیدا کرنے کی طاقت نہ آپ میں نہ کسی بادشاہ میں آپ کو معلوم ہو گا کہ ہندوستان کے اندر بہت سی زمینیں قابل کاشت بنائی گئیں۔ مگر غلہ میں کمی ہو گئی جو کام اللہ تعالیٰ کا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کس طرح سے کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ عقل اور سائنس سے غلہ کی پیداوار بڑھالیں مگر یہ عقل کی باتیں دماغ میں ڈالنے والا بھی تو وہی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ٹریکٹر سے پہلے ایک آدمی میلوں سے کاشت کرتا تھا لیکن اب ٹریکٹر کے لئے سارے گاؤں کو جمع کرنا ہوتا ہے اس پر ہندوستان میں ہیکار روپیہ صرف ہوا۔ اللہ سے روگردانی کر کے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ فریب کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرات اسلام نے جس نظریہ پر پیدا فرمایا ہے وہ مادی نہیں ہے جو نظریہ مادی طریقہ

سے پیدا کیا جائے گا وہ دو چار سال کے بعد تیار ہو جائے گا لیکن اسلام کا جو رشتہ ہے وہ ناقابل تبدیلی ہے۔ ایک دائمی ملت کی بنیاد دائمی ہی نظریہ پر قائم کی جاسکتی ہے۔ اسلام کی بنیاد اللہ کی توحید انبیاء کی سچائی ان کی کتابوں کی صداقت اور انسانوں کے صحیح عمل پر ہے۔ اسلام یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ انبیاء کی تصدیق کیجئے محمدؐ صلعم کو خاتم النبیین مانا جائے۔ اور اللہ کے فرشتوں کو کتابوں کو مانا جائے ان سب پر ایمان لایا جائے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی۔ اس پر یقین رکھیے دوزخ اور بہشت میں جانا ہو گا۔ اس پر ایمان رکھو۔ اسلام نے اپنی بنیاد اسی پر رکھی ہے۔ امت محمدیہ آخری امت اور ملت ہے۔ اسی لئے جو نظام ہدایت باری تعالیٰ نے مکمل اور دوامی بنا کر بھیجا ہے۔ دنیا کی ساری چیزیں بدل سکتی ہیں۔ لیکن اللہ ایک ہے انبیاء سچے ہیں اللہ خالق حقیقی ہے کبھی نہیں بدل سکتیں یہ کبھی کو کھلی نہیں ہو سکتیں دنیا کا کوئی مادی نظریہ آپ کے اندر خیر پیدا نہیں کر سکتا نیکی اور خیر کا جذبہ تو اس وقت پیدا ہو گا جب اللہ کے بتلائے ہوئے اور رسول صلعم کے لائے ہوئے راستہ پر چلو گے۔ جب تک اسلام کے راستہ پر مسلمان چلے آفات مصائب سے محفوظ رہے اور جب سے مادہ پرستی کا دور شروع ہوا قومیت کی بنیاد پڑی۔ پیٹ کا سوال پیدا ہوا۔ بدکاری، تعصب، حق فروشی، بددیانتی شروع ہو گئی اور ابھی کیا ہے۔ ابھی تو آغاز ہے مجھ کو لاہور کا حال تو معلوم نہیں ہے کراچی کا معلوم ہے کہ آج فلاں عورت قتل ہو گئی ہے۔ ابھی آغاز ہے، فحاشی اور بدکاری کا یہ عالم ہے پھر اس کا انجام کیا ہو گا (آوازیں لاہور میں بھی ایسا ہی ہے) یورپ کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہاں جمہوریت ہے لیکن اس جمہوریت نے واقعی اخلاق بلند کر دیئے؟۔

کیا انکے اخلاق بلند ہیں۔ وہ سچے ہیں۔ کیا وہ اپنے اندر روحانی نور پیدا کر سکے۔ یہ نظریہ روح کو اور اخلاق کو بلند نہیں کرتا۔ یہ دنیا کی تمنائوں کو بلند کرتا ہے بے ایمانی اور بدکاری کو اضافہ کرتا ہے ملت مسلمہ ساڑھے تیرہ سو سال سے ہے۔ ہر قسم کے دوروں

سے گزری لیکن اتنی عریانی فاشی 'بدکاری' سامنے نہیں آئی جتنی آج ہے۔ آج اخباروں میں رسالوں میں 'شعروں میں' - سینماؤں میں 'ہوٹلوں میں' 'کلبوں میں' جہاں دیکھئے 'جز' ترغیبات جہیہ کے کچھ نہیں۔

خواتین کے جلسے ہوتے ہیں۔ ان کا نتیجہ بھی 'جز' فواحش کی نمائش کے کچھ نہیں۔ یہاں کنواریوں کا ایک کلب بنایا جا رہا ہے یہ لڑکیاں عمر بھر نکاح نہیں کریں گی۔ راولپنڈی سے کنواریوں کے کلب کی بارات آئے گی۔ اس گمراہی کا کیا نتیجہ ہو گا۔ مسلمانوں نے اپنے نظریہ 'عقیدے' ہدایت کو چھوڑ دیا اور دوسروں کے اختیار کر لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر لینن اور اسٹالن کی امامت پر ایمان لایا جا رہا ہے میں اپنی تقریر کے آخر میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ہر مسلمان نماز پڑھتا ہے۔ کیا وہ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے آپ کی زبان تو یہ کہتی ہے کہ اے خدا اس کو یہودیوں کے راستے پر نہیں عیسائیوں کے راستے پر نہیں۔ بلکہ انبیاء کے محمد رسول اللہ کے راستے پر چلا لیکن عمل آپ کا کیا ہے؟

نوجوانوں کی وضع قطع دیکھئے اخلاق عادات دیکھئے کیا وہ انبیاء کرام کے راستے پر چلیں یا یہودیوں کے اور نصاریٰ کے راستے پر چلیں؟

ان کا قبلہ و کعبہ بیت المحرام ہے۔ یا نیویارک 'لندن' اور پیرس ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ اور دعویٰ مسلمانی کا کرتے ہیں۔ مگر طریقے یہودیوں اور عیسائیوں کے پسند ہیں۔ یہ کب ایمان و عمل کا تضاد ہے۔



# رسولِ وحدت



دوست اور دشمن، موافق اور مخالف سب کو تسلیم ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سب سے پہلی اور آخری خصوصیت توحید کی تعلیم ہے، مگر اب تک اس توحید کے لفظ کو ایک خاص اصطلاح میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نے خدائے تعالیٰ کی وحدت کی کامل تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن آئیے آج ہم اس لفظ کو تحلیل کریں اور دیکھیں کہ آپ نے وحدت کی تعلیم کس کس رنگ سے پیش کی اور کس کس پہلو سے مکمل کی ہے۔

## وحدت الہی

دنیاۓ وجود کا سب سے بڑا ظلم، وحدت و کثرت کی نیرنگی ہے، ہم کو بظاہر ہر طرف کثرت ہی کی نیرنگیاں نظر آتی ہیں۔ ظاہر بین نگاہیں کثرت کی انہیں نیرنگیوں میں الجھ کر اور واحد کو کثیر سمجھ کر موحّد سے مشرک بن جاتی ہے مگر حقیقت شناس نگاہیں کثرت کے رنگارنگ پردوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھ لیتی ہیں۔ دیکھنے والوں کو آسمان زمین، پہاڑ، جنگل، دریا نظر آتے ہیں۔ پھر آسمان میں آفتاب، مانتاب، سبع سیارہ اور دوسرے ستارے دکھائی دیتے ہیں، زمین میں انسان، حیوان، درخت، پہاڑوں میں چٹانیں اور غار، دریاؤں میں روانی، سیرابی اور موجیں نظر آتی ہیں، تو انسانوں نے ان سب کو کثرت کی جلوہ انگیزیاں سمجھ کر ان میں سے ہر ایک کو اپنا اپنا خدا اور دیوتا مان لیا، کسی نے آفتاب کی پوجا کی، کسی نے مانتاب کو، کسی نے دریا کو اور کسی نے پہاڑ کو لیکن موحّد اعظم کی نگاہوں نے ان کثرتوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھا اور پکار اٹھا کہ میں ان کے نہیں بلکہ ان سب کے ایک اور تماخلاق کے آگے سر جھکا تا ہوں۔

میں نے اپنا مذہب ان سب کی طرف سے پھیر کر اس کی طرف کیا جو ان آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، موحّد بن کر اور میں دوسروں کو خدائے برحق کا ساجھی نہیں مانتا۔

انی وجہت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔

دنیا کے سارے علوم و فنون اور فلسفہ و سائنس کی تمام شاخوں کی پوری کوششیں اور تحقیقیں صرف اسی ایک اصل کی فرع ہیں کہ ان رنگارنگ کثرتوں میں وحدت کی تلاش کی جائے اور اس ایک علت کا پتہ چلایا جائے۔ جس کی تمام کثرتیں اثر اور نتیجہ میں جس علم و فن میں جس حد تک حقیقت کی منزل قریب ہوتی جاتی ہے وحدت کا چہرہ نمایاں سے نمایاں تر ہوتا جاتا ہے۔

عہد جاہلیت میں انسان ہر کام کا الگ الگ دیوتا ماننا تھا اور سمجھتا تھا کہ دنیا کے تمام افراد اور واقعات کا تعلق علیحدہ علیحدہ فاعلوں اور موثرین سے ہے اور وہ ان سب کو پوجتا تھا۔ ہماری کا الگ خدا تھا بلکہ ہر ہماری کا ایک ایک الگ دیوتا تھا جس کی پرستش ہوتی تھی۔ جنگ کا الگ، صلح کا الگ، قحط کا الگ، پیدوار کا الگ، علم کا الگ، خیر کا الگ اور شر کا الگ، ایک ایک دیوتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ سائنس اس باطل کا انکار کرے دین حق نے اس کے تار و پود بکھیر دیئے اور تعلیم دی کہ وہ ایک ہی جو آسمان سے زمین تک سب پر فرمان روا ہے اور ایک ہی حکم ہے جو عرش سے فرش تک جاری ہے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ  
وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ (زخرف)

اور وہی ایک ہے جو آسمان میں اور وہی  
ایک ہے جو زمین میں فرمان روا ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جو توحید کا مغز و جوہر ہے صلح و جنگ، دولت و افلاس، رحمت و زحمت، کامیابی، ناکامی، غرض دنیا کے ہر کام اور ہر شے کا تعلق اسی ایک ذات سے ہے۔ جو وحدہ لا شریک ہے۔

اس تعلیم نے دیوتاؤں، دیویوں، ستاروں، فرشتوں، پیغمبروں، ولیوں اور شہیدوں کی طوائف الملوکیوں کا خاتمہ کر کے آسمان و زمین میں صرف ایک شہنشاہی قائم کی اور تمام عالم کو ایک نظام ربانی کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ دنیا کے مختلف

مذہب کو لیکر جو انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ اسی سب سے بڑی حقیقت کو لیکر آئے مگر افسوس ہے کہ یہ حقیقت پوری طرح واضح و آشکار ہو کر لوگوں کے سامنے نہیں آئی اور جن کے سامنے آئی وہ بھی اس کو بھلاتے رہے آخر دنیا کو دنیا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار رہا کہ آپ کی بعثت اس حقیقت کو اس وضاحت اور شرح و تفصیل اور تکمیل کے ساتھ پیش کرے کہ دنیا اس کو قبول کر کے پھر بھلا نہ سکے۔

چنانچہ توحید یا وحدت الہی کی تعلیم جس تفصیل اور تشریح کے ساتھ آپ نے دی وہ آپ کی تعلیم کی امتیازی خصوصیت بن گئی ہے۔ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی واحد ہے اور اپنی صفات کاملہ کے لحاظ سے بھی واحد و منفرد ہے اور اپنی عبادتوں کے لحاظ سے بھی غیر شریک ہے۔ وہ نہ ۳۳ کروڑ صفات کے جلوؤں میں ۳۳ کروڑ ہے اور نہ تین اقامت میں منقسم ہو کر واحد ہے اور نہ وہ دو متضاد احوال کی بناء پر دو ہے بلکہ وہ ایک واحد، منفرد، منفرد اور غیر شریک ہے نہ کسی پیغمبر کو یہ قدرت ہے کہ وہ اس کی الوہیت میں ذرہ برابر شریک ہو سکے اور نہ کسی نمود و فرعون یا کسریٰ و قیصر اور مہاراج کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کی شہنشاہی اور ربوبیت میں شرکت کا دعویٰ کر کے انار بکم الاعلیٰ کی آواز کی بلند کر سکے۔

## سب کا ایک خدا

لیکن توحید کی تکمیل ابھی ایک اور قدم کی محتاج تھی اور وہ یہ تعلیم تھی کہ وہ واحد منفرد جو ہمارا خدا ہے جس طرح وہ اپنی ذات و صفات و عبادات میں واحد منفرد ہے۔ اسی طرح اپنے تعلق کے لحاظ سے بھی منفرد ہے یعنی یہ کہ وہ ہی جو ہمارا ایک خدا ہے وہی ہر ذرہ سے لیکر آفتاب تک ہر ایک کا واحد خالق و مالک ہے۔ کیڑے مکوڑے پھول بوٹے، حیوان اور انسان سب اس کی مخلوق اور محکوم ہیں تمام کائنات اسی ایک کے قبضہ

قدرت میں ہے پست و بلند نشیب و فراز اور فرش و عرش سب اسی ایک کے زیر فرمان ہیں۔

## وحدت کی غلط تعبیریں

بہت سی قوموں نے اس کو ایسا مانا تھا کہ وہ انہیں کا ہے دوسروں کا نہیں۔ انہوں نے انسانوں کے اندر پستی و بلندی اور شرافت و ذالت کے درجے اور مرتبے قائم کر کے یہ یقین پیدا کر لیا تھا کہ وہ صرف بلند و شریف انسانوں کے طبقہ کا واحد خدا ہے اور بقیہ پست و ذلیل مخلوقات اس قابل نہیں کہ وہ اس سے تعلق کی نسبت رکھ سکیں۔ وہ گویا ایک خدا تھا۔ مگر صرف ایک خاندان یا کسی ایک قوم یا کسی ایک مذہب کا خدا دوسروں کا نہیں۔ چنانچہ سپید رنگ، شریف النسل آریہ اس کو صرف اپنے ہی لئے خاص سمجھتے تھے اور پھر وہ بھی ایرانی اور آریہ ورت کے رہنے والوں میں منقسم ہو کر اس طرح دو ہو گئے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو جائے خود بینی و دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ کی ہندگی کے صرف وہی الہ ہیں انتہائیہ کہ اگر ایک (آریہ) کے یہاں لفظ دیوتا الوہیت اور خدائی معنی دیتا ہے تو وہی لفظ دوسرے (ایرانی) کے یہاں بصورت دیو جن و شیطان کے معنی جشتا ہے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان کے دو حصوں شمالی اور جنوبی میں شیو اور وشنو جو دونوں خالق و قیوم کے معنوں میں ایک ہی ذات پاک پر دلالت کرتے ہیں وہ ہندوؤں کے دو حصے کر دیتے ہیں، ایک شیو کو پوجنے والے اور دوسرے وشنو کے ماننے والے۔

پاک نژاد ان ایرانیوں کا اور مزدائیوں کا خدا تھا مگر ہندو آریوں میں وہ سورج سے زیادہ نہیں، ہندو آریوں میں سے برہمنوں نے اپنا وہ خدا مانا جو صرف انہیں کا خدا تھا۔ جس نے اپنے منہ سے ان کو پیدا کیا اور دوسری ہندو قوموں کو اپنے بازوؤں اور ٹانگوں سے۔

سامیوں کا خدا صرف انہیں کا تھا بلکہ بنی اسرائیل کے نزدیک وہ خاص ان کے خاندان کا تھا خداوند میرے خاوند ابراہیم کا خدا۔ پید ۲۳-۲۷

اے میرے باپ ابراہام کے خدا اور میرے باپ اسحق کے خدا  
پید ۴۴-۹

میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ خروج ۵-۳

پھر خدا نے موسیٰ سے کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہیو کہ خداوند تمہارے باپ کے خدا ابراہام کے خدا اور اسحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔  
خروج ۳-۱۵

میرے باپ کا خدا ابراہام کا معبود اسحاق کا معبود  
پید ۳۱-۱۵

اور انہیں کہہ کہ خداوند تمہارے باپ کا خدا ابراہام اور اسحاق اور یعقوب کا خدا یوں کہتا ہوا مجھے دکھائی دیا ۱۶  
خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تو میرے لوگوں کو جانے دے۔  
خروج ۵-۱

فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں میں خداوند کو نہیں جانتا..... تب انہوں نے کہا کہ عبرانیوں کے خدا نے ہم سے ملاقات کی۔ ۱۷

اور اسے کہیو کہ خداوند عبرانیوں کے خدا نے میرے تئیں بھیجا ہے کہ اور کہتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے۔ ۱۶

وہ میرے باپ کا خدا ہے (خروج ۱۵-۲)

اس طرح ادا کی وجہ یہ ہے کہ اس قدیم زمانے میں خدائے

برتر کی پرستش صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہی میں  
مختصر تھی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی حضرت یعقوب کے سوال پر ان کے  
بیٹوں کی زبان سے اسی قسم کے فقرے ادا کئے ہیں۔

نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالْآلَةَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ  
ہم آپ کے خدا اور آپ کے باپ دادوں  
اور ابراہیم اور اسحق کے خدا کی عبادت کریں گے  
وَإِسْحَاقَ (بقرہ)

لیکن بنی اسرائیل نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ خدا خاص انہیں کا خدا ہے  
جس میں دنیا کی کوئی قوم ان کی شریک نہیں اور وہ ان کا خاندانی خدا ہے۔  
عیسائیوں کا خدا عیسائیوں کا باپ تھا، مگر اس باپ کے کنبہ میں ان کے سوا  
کوئی دوسرا شریک نہ تھا، ابراہیم اور اسحق والا خدا یہاں آکر صرف کواری ماں کے بیٹے کا  
باپ رہ گیا ہے جیسا کہ انجیل میں بار بار آیا میرا باپ جو آسمان میں ہے۔

## پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تعلیم

یہ تھا اس خدائے واحد کا تخیل جو قوموں اور خاندانوں اور شخصیتوں کا خدا بن  
کر محدود سمجھ لیا گیا تھا اس کے بعد خاتم الانبیاء علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ آپ کی  
تعلیم نے جہاں وحدت ربانی کے دوسرے پہلوؤں کی تکمیل کی اس وحدت کے مفہوم  
کو بھی مکمل کیا اور بتایا کہ وہ ایک ہی خدا ہے جو ہر ہما بھی ہے ہمیشہ بھی، دشمنو بھی ہے اور  
شیو بھی، یعنی خالق بھی ہے قیوم بھی زندہ کرنے والا بھی ہے اور مارنے والا بھی الذی یحییٰ  
ویمیت وہی مارتا اور جلاتا ہے وہ کالے گورے آریائی اور سامی، ایرانی اور تورانی، ہندی



اور عربی، اسرائیلی اور اسماعیلی، موسوی اور عیسوی ہندو اور مسلمان بلکہ زاہد شب زندہ دار اور فاسق گنہگار سب کا یکساں خدا ہے اور سب اس کے دربار کے یکساں بندے ہیں، برہمن ہو کہ شودر یہودی ہو کہ خنٹین مختون تغلیت پرست ہو کہ موحد آقا ہو غلام، اونچا ہو یا نیچا بندہ ہونے کی حیثیت سے سب اس کے سامنے ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کو ان کے خدا کی طرف سے یہ حکم ہوتا ہے کہ تم دوسرے مذہب والوں سے کہہ دو اِلٰھُنَا وَ اِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ

سب اسی کے بندے ہیں اور وہی ایک سب کا خالق و مالک اور محی و ممیت ہے۔ یہاں کوئی محمد (صلعم) کا خاص خدا نہیں، قریش کا خدا نہیں، عرب کا خدا نہیں، مسلمانوں کا خدا نہیں بلکہ کل دنیا کا ایک خدا ہے ایک وحدت ربانی ہے جس میں کل بندگان الہی باہم یکساں شریک ہیں۔ وہ سب اس کے بندے ہیں اور وہ ایک ان سب کا خدا ہے قرآن کی سب سے پہلی سورۃ کی سب سے پہلی دعا اور اس دعا کا سب سے پہلا فقرہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو سکھایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ساری خوبیاں اس ایک خدا کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ایک ہی ربوبیت ہے جس میں نہ صرف کل دنیا بلکہ کل دنیاؤں کی ساری مخلوقات یکساں شریک ہیں اور اس لحاظ سے محمد رسول اللہ صلم کی تعلیم نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا جو ایک خدا کے ماننے کے باوجود دنیا کی قوموں اور خاندانوں کو مختلف خداؤں میں تقسیم کر دیتے تھے اور بتا دیا کہ ہم سب کے سب ایک خدائے واحد کے بندے ہونے کی حیثیت سے باہم بھائی بھائی ہیں سید ہوں کہ شیخ، پرانے خاندانی مسلمان ہوں کہ نو مسلم برہمن ہوں کہ چمار، پورپن ہوں کہ ایشیائی سب ایک ہی آقا کے غلام اور باہم خواجہ تاش ہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ  
النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ  
سارے انسانوں کا پروردگار سب انسانوں  
کا بادشاہ اور سب انسانوں کا خدا۔

یہ وہ وحدت ربّانی ہے جس کا جلوہ محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ ہم نے دیکھا  
اور وہ حقیقت ہے جس کو آپ کی تلقین سے ہم نے سمجھا یعنی یہ کہ وہ ایک ہی شہنشاہ  
مطلق اور رب العباد ہے جس کی ربوبیت میں تمام مخلوقات ارضی و سماوی، انسانی  
و حیوانی اور تمام دنیا کے خاندان اور نسلیں، قومیں اور ملتیں برابر کی شریک ہیں فرمایا۔

اِنَّ هَذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَاَنَا  
رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۔  
بیشک یہ تم سب کی امت ایک ہی امت  
ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں تو تم  
سب میرا ادب لحاظ کرو

یہ وہ بلند تخیل ہے جس نے نہ صرف عرب و عجم، ترک و تاجیک، زنگ  
و فرنگ، ہندو سند، روم و تاتار، یورپ و ایشیاء سب کو ایک ربوبیت واحدہ اور ایک  
اخوت عامہ میں مربوط و منسلک کر دیا بلکہ انسانوں اور حیوانوں کو بھی ایک پروردگار کے  
سامنے سرنگوں کر کے انسانوں کو حیوانوں کی خدمت اور حیوانوں کو انسانوں کی  
خدمت کا سبق پڑھایا۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا  
طَيْرٍ يَطِيرُ بِحَنَّا حَيْهَ الْاُمَمِ  
امثالکم (انعام)۔  
نہ تو کوئی زمین میں ریگنے والا جانور ہے اور  
نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا  
ہے لیکن وہ تمہاری ہی طرح امت ہے۔

## وحدت رسالت

وحدت الہی کے بعد وحدت رسالت ہے اور اس سلسلہ میں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو اصلاح ہوئی۔ جو غلط فہمیاں دور ہوئیں اور جو بلند تخیل منصب نبوت کے متعلق پیش فرمایا اس کو ذرا تفصیل سے سننے کی ضرورت ہے۔

## تخصیص کا ابطال

سب سے بڑی غلطی جو دوسری قوموں سے اس مسئلہ کے متعلق سرزد ہوئی وہ یہ تھی کہ نبوت کو خاص خاص خاندانوں اور قوموں میں محدود اور مخصوص کر دیا گیا تھا آریہ ورت کے ہندو کہتے تھے کہ خدا کی بولی صرف ہمیں کے رشیوں اور مینوں نے سنی اور وہ صرف وید کے اوراق میں محفوظ ہے زردشت والے ایرانیوں کے علاوہ سب کو یزدان کے جلوہ نورانی سے محروم خیال کرتے تھے۔ بنو اسرائیل اپنے سوا کہیں اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عیسائی صرف اپنے آپ کو خدا کی فرزندگی کا مستحق سمجھتے تھے لیکن اسلام نے اس تخصیص کو خدا کی شان رحمت اور عدل و انصاف کے منافی تصور کیا اور قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں اس کی تردید کی۔ ایک یہودی حضرت موسیٰ کے سوا سب پیغمبروں کا انکار کر سکتا ہے ایک عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا پوتا مان کر عیسائی رہ سکتا ہے ایک ہندو تمام دنیا کو شور کہہ کر بھی پکا ہندو ہو سکتا ہے ایک زردشتی حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی تکذیب کر کے بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن ایک مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جب تک تمام پیغمبروں کو تسلیم نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تنگ خیالی کا دائرہ صرف یہیں تک محدود نہ تھا کہ نبوت کو ملک و قوم اور زبان کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا تھا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ مخصوص کرنے والے خود پیغمبروں میں تفریق کرتے تھے۔ یعنی ان میں سے بعض کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے یہود حضرت عیسیٰ کو نعوذ باللہ کاذب سمجھتے تھے اور ان پر طرح طرح کی ہتھمتیں لگاتے

تھے قریش حضرت عیسیٰ کے نام سے چلانے لگتے تھے۔

فاذا قومك منه يصدون' یسود و نصاریٰ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو صرف بادشاہ سمجھتے تھے اور پیغمبر نہیں مانتے تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم، شام و ہند، یورپ، پچھم، اتر، دکھن، کی تخصیص کو دور کرتے ہوئے بتایا کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا گیا اور اس کی آواز سنی گئی ہے اس لئے بلا تفریق و امتیاز دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور استباز تسلیم کرنا چاہیے۔

## مفہوم نبوت کی وضاحت

ایک اور واقعیت جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے، یہ ہے کہ اسلام سے پہلے نبوت و رسالت اور پیغمبری کی کوئی واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یسود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیش گوئی کے تھے اور نبی پیشگو کو کہتے تھے جس کے متعلق ان کو یہ یقین تھا کہ اس کی دعا یا بدعا فوراً قبول ہو جاتی ہے چنانچہ تورات کے صحیفہ تکوین میں اس مضمون کی آیتیں موجود ہیں، اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، اور حضرت یوسفؑ کی نبوت و رسالت کا ایک دھندلا سا خاکہ ان کے ہاں موجود ہے بلکہ بعض پیغمبروں کے مقابلہ میں بعض کاہنوں کی پیغمبرانہ شان زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی حیثیت صرف بادشاہ کی ہے اور ان کے زمانہ کے پیش گوئی کرنے والے پیغمبر اور ہیں۔

یسود کی طرح نصاریٰ بھی خدا کے سب پیغمبروں کو یکساں تسلیم نہیں کرتے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول ہے کہ مجھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو

تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی کے نزدیک حضرت عیسیٰ سے پہلے کے پیغمبروں کی حیثیت کیا تھی۔ موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسول کی تعریف ہے نہ ان کے تذکرے ہیں نہ ان کی سچائی اور صداقت کی گواہی، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کا بے شبہ تذکرہ کیا ہے لیکن پیغمبرانہ شان کے ساتھ نہیں۔

اس تخیل کا یہ اثر تھا کہ یہود اور نصاریٰ دونوں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف بے تامل نہایت رکیک اور خفیہ باتیں منسوب کرتے تھے مثلاً حضرت توط پر بدکاری کا الزام لگاتے تھے حضرت سلیمان کو گنڈا تعویذ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے حالانکہ سحر اور جادو کو تورات میں شرک قرار دیا جا چکا ہے عیسائی حضرت عیسیٰ کے علاوہ تمام پیغمبروں کو گنہگار خیال کرتے تھے بلکہ انجیل کے مختلف حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود اور خود عیسائی بھی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی نسبت بعض ایسی باتیں کہتے تھے جو ان کی شان عظمت کے سراسر منافی ہیں۔ مثلاً یہود حضرت مریم پر تہمت رکھتے تھے اور انجیل کے طرز سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہیں کرتے تھے اور احکام عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بد بختی تھی۔ اس طرح موجودہ انجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نماز و روزہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

## اسلام میں نبوت کا مفہوم

حضرت انبیاء کرام علیہ السلام پر یہود و نصاریٰ کے یہ الزامات صرف اس وجہ سے تھے کہ ان کے مذہب میں نبوت و رسالت کا کوئی بلند تخیل نہ تھا اور نہ انبیاء کی عظمت کی کوئی بلند سطح قائم تھی۔ لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں کی عظمت و جلالت کی ایک نہایت بلند سطح قائم کی اس کے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عظمت تمام انبیاء و مرسلین کا مشترک وصف تھا سب پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ

سب خدا کے محض ہوئے ایک خاص منصب پر سرفراز تھے وہ سب دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے تھے کہ خدا کے احکام لوگوں کو سنائیں اور نیکی اور سچائی کا راستہ سب کو دکھائیں وہ سب رہنما ہوشیار کرنے والے خدا کی طرف بلانے والے 'خوشخبری سنانے والے' تعلیم دینے والے خدا کے احکام پہنچانے والے نور روشنی خدا کے نیک اور مقبول بندے اور اپنے عہد کے سب سے بہتر انسان تھے۔

اسلام میں اگرچہ پیغمبروں کی تعداد معین نہیں ہے تاہم قرآن پاک میں ان کی دو قسمیں ہم کو بتلائی گئی ہیں۔ ایک وہ جن کے ناموں کی تصریح قرآن میں کی گئی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام قرآن میں مذکور نہیں، پہلی قسم میں بھی کئی تقسیم ہیں، بعض وہ انبیاء ہیں جن کو اہل عرب اور یہود و نصاریٰ سب جانتے تھے مثلاً حضرت ابراہیم وغیرہ بعض وہ ہیں جن سے اہل عرب واقف تھے لیکن یہود و نصاریٰ کو ان کی خبر نہ تھی۔ مثلاً حضرت ہود اور حضرت شعیب بعض ایسے ہیں جن کو یہود و نصاریٰ پیغمبر نہیں مانتے تھے لیکن دراصل وہ پیغمبر تھے، مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دوسری قسم میں ہر قوم و ملک کے وہ نیک لوگ داخل ہو سکتے ہیں جن کو ان کے ماننے والے پیغمبروں کا سا درجہ دیتے ہیں۔ جیسے یونان کے سقراط، ایران کے زردشت ہندوستان کے سری رام چندر جی اور سری کرشن جی اور مہاتما گوتم بدھ اور چین کے حکیم کنفو شیوس وغیرہ، ہر طبقہ ان کی سچی تعلیم میں توحید اور کلیات دین کے سبق موجود ہوں، لیکن چونکہ ہم یقینی طور پر ان ملکوں کے پیغمبروں کے ناموں کی تعین نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے پاس تخصیص و تعین کا ذریعہ صرف وحی محمدی ہے اور وہ ان کے ناموں کی نسبت خاموش ہے اس لئے ہر مسلمان کو پہلی قسم کے انبیاء کو نام بہ نام تفصیلاً اور دوسرے قسم کے پیغمبروں کو نام کی تخصیص کے بغیر ماننا ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اور اس تسلیم کو ذریعہ نجات سمجھنا لازم ہے۔

ان تمام انبیاء کا دین ایک ہے، ان کی تعلیم ایک ہے وہ سب وصف عصمت میں شریک ہیں وہ سب خدا کے راستہ باز بندے تھے ان سب کا ایک ہی مشن ہے اور ان سب کی زندگی کا ایک ہی طرز ہے اور ان سب کی نبوت کی پہچان یہ ہے کہ وہ ایک ہی دین کی تعلیم دیتے ہیں۔

قرآن پاک کی متعدد آیتیں ہیں جس میں وحدت رسالت کے اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا کے تمام انبیاء اور پیغمبروں کی یکساں تعظیم و تکریم کریں، اور ان سب کو برابر سمجھیں اور یہ عقیدہ سکھایا گیا ہے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ ہم خدا کے فرستادوں میں کوئی فرق نہ کریں اور یہ تعلیم دی ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں خدا کے رسول آئے اور اس کے احکام لوگوں کو سناتے رہے۔ کوئی قوم نہیں جس میں خدا کا فرستادہ نہ آیا اس کے لئے عرب و عجم، روم و شام، بنی اسرائیل اور بنی اسمعیل ایرانی اور تورانی کی کوئی تخصیص نہیں۔ ان تمام قوموں میں خدا نے اپنے رسول بھیجے اور ہم ان سب کو خدا کا یکساں رسول سمجھیں اس امر کی اسی تعلیم کا اثر ہے کہ مسلمان یہودیوں کے پیغمبروں عیسائیوں کے رسولوں اور اجمالاً ایران کے نبیوں اور ہندوستان و چین کے ربائی مبلغوں کو صادق راست باز یقین کرتے ہیں۔ خواہ وہ ان کے ناموں کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔

## وحدت کتاب

اس عنوان سے وحدتِ ادیان کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے جو اسلام کی وسیع اور بلند ذہنیت کو ضیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام سے پیشتر دوسرے مذاہب نے اس جانب توجہ نہیں کی تھی یہودی تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے تھے عیسائی تورات کے احکام کو نہیں مانتے تھے لیکن اس

کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے تھے اور تورات کے علاوہ دنیا میں جو اور کتابیں مذہبی حیثیت سے مقدس مانی جاتی تھیں اور جن کا زمانہ انجیل سے پیشتر تھا ان کی عزت اور عظمت نہیں کرتے تھے 'پارسی اوستا کے علاوہ اور کسی کتاب کو خدا کا کلام تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور ہندوستان کے برہمن ویدوں کے سوا خدائی الہام کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلم نے جو رواداری اور بے تعصبی اور نقطہ نظر کی وسعت اس مسئلہ میں ظاہر فرمائی وہ اسلام بلکہ دنیا کی مستہم بالشان تعلیمات میں ہے۔

اس تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن مجید کی طرح گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں کو بھی صحیح سمجھے اور ان کو منجانب اللہ تسلیم کرے بما انزال الیک وما انزل من قبلک گویا قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انبیائے قدیم کی کتابوں پر بھی ایمان لایا جائے اور قدیم کتابوں کی تصدیق نہ کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تصدیق نہیں کی گئی ہے جس طرح قرآن پر ایمان نہ لانا اسلام میں کفر ہے اس طرح اگلی آسمانی کتابوں کا نہ ماننا بھی اسلام کے نزدیک کفر ہے۔ یہ ادب یہ عزت یہ رواداری کیا اسلام کے باہر کہیں مل سکتی ہے۔

آسمانی کتابیں اگرچہ غیر محدود ہیں تاہم تخصیص کے ساتھ جن کتابوں کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں وہ چار ہیں۔ تورات باصحف موسیٰ زبور انجیل اور قرآن ان کے علاوہ ایک جگہ حضرت ابراہیم کے صحیفوں کا ذکر آیا ہے لیکن ان کے نام نہیں بتائے گئے ہیں۔ بعض آیتوں میں صرف اگلے صحیفوں یا اگلوں کی کتابوں کا حوالہ آیا ہے بعض آیتوں میں دوسری قسم کے پیغمبروں کی طرح کتابوں کا بھی اجمالی ذکر آیا ہے یعنی ان کے ناموں کی تصریح نہیں کی گئی ہے لیکن ہر حال ہر جگہ ان کی صداقتوں کو یکساں تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے قرآن مجید پر ایمان لانے والے مسلمان مجبور ہیں کہ محمد رسول اللہ صلم سے پیشتر کی ان کتابوں کو جن کے نام قرآن نے بتائے ہیں تفصیلاً اور



جن کے نام نہیں بتائے گئے ہیں ناموں کی تخصیص کے بغیر اجمالاً خدا کی کتابیں سمجھیں اس لئے ایسی اگلی کتابوں کو جن میں آسانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں گو ان کا ذکر قرآن میں نہ ہو جھوٹا نہ کہیں کیونکہ ان کا بھی خدا کی کتاب ہونا ممکن ہے۔ گو قطیعت کے ساتھ ان کا فیصلہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ قرآن نے ان کے نام نہیں بتائے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ اسلام نے دنیا کے تمام مذاہب حقہ کو ایک ہی سمجھا ہے کیونکہ خدا جو ان تعلیمات کا سرچشمہ ہے ایک ہی ہے تمام رسول اور پیغمبر جو اس سرچشمہ سے سیراب ہیں مقصد کے لحاظ سے متحد ہیں یعنی سب کا مبداء ایک اور تعلیم ایک ہے اس لئے تمام کتابیں جو ان رسولوں کے ذریعہ سے دنیا کو دی گئیں اور جو احکام انہیں بتائے گئے وہ بھی یقیناً ایک تھے اس حقیقت کو کہ تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی قرآن مجید میں متعدد جگہ صاف صاف بیان کیا گیا ہے اس بناء پر اسلام اسی ایک مذہب کا نام ہے جو حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلعم تک باری باری پیغمبروں کے ذریعے سے آتا رہا اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی۔

## وحدت دین

عام مذہب کا خیال ہے کہ جو مذاہب اس وقت پھیلے ہیں وہ ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ تمام سچے مذاہب در حقیقت ایک ہی ہیں ایک ہی پیغام ہے جو آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سنایا جاتا رہا مایقال لك الا ما قد قيل للرسول۔

اس مقام پر ایک نکتہ بیان کرنے کے قابل ہے، قرآن مجید نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہیں، دین اور شریعت جس کو منک اور منہاج بھی کہتے ہیں دین سے مراد مذہب کے وہ بنیادی امور ہیں جن پر تمام مذاہب حقہ کا اتفاق ہے، مثلاً خدا

کی ہستی 'اس کی توحید' اس کے صفات کاملہ 'انبیاء کی بعثت' خدا کی خالص عبادت' حقوق انسانی 'اخلاق اچھے اور برے اعمال کی باز پرس جزاء و سزا یہ وہ اصل دین ہے جس میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی اسی کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آئے اس میں زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہیں نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں کوئی اختلاف ہوا وہ ہر زمانہ اور ہر مقام میں یکساں رہا اور وہاں کے پیغمبروں نے اس کی یکساں تعلیم دی 'اب اگر اس میں کسی جہت سے کوئی اختلاف ہو یا تو طریقہ تعبیر کی غلطی ہے یا باہر کی چیزیں اس میں مل گئی ہیں اور اس کی اصلی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔

دوسری چیز یعنی شرع منہاج اور منک وہ جزئیات احکام ہیں جو ہر قوم و مذہب کی زمانی مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں مثلاً عبادت الہی کے طریقوں میں ہر مذہب میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہے عبادت کی سمتیں الگ الگ ہیں ' اعمال فاسدہ کے انسداد کی تدبیریں جدا جدا ہیں۔

اب قرآن کے نقطہ نظر سے مذاہب کے اختلاف کا یہ مطلب ہے کہ اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر ہے البتہ متفقہ حصول مقصد کے راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانوں میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے تو بدلتے رہے ہیں۔ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا ہے کہ وہ اسی ازلی اور ابدی صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے اور دین کو اصل مرکز پر قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی قوم و ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو ان کے لئے مناسب ہوں ان کو بتائیں اور سکھائیں۔

## انبیاء کا یکے بعد دیگرے ظہور اور اس کی وجہ

انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب

شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اس وقت بھیجا گیا ہے جب پہلا صحیفہ وحی کھو گیا ہے یا ذہنی تحریفات اور دستی تصرفات سے ایسا بدل گیا ہے کہ اصلیت مشتبہ ہو گئی ہے حضرت ابراہیم کے صحیفوں کے گم ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰ پر تورات نازل ہوئی اور جب اس میں اختلافات پیدا ہوئے تو زیور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے جو عہد نامہ قدیم میں موجود ہیں پھر اس کی تکمیل کے لئے انجیل آئی اور جب اس میں بھی انسانی تصرفات کا دخل ہو گیا تو قرآن اتر۔

## آخری کتاب

مگر قرآن اس دعویٰ کے ساتھ اتر ہے کہ اب اس کے بعد کسی دوسری آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ کے لئے تحریف و تبدیل سے محفوظ کر دی گئی ہے اور اس کی حفاظت کا وعدہ خود خدا نے کیا ہے اور یہ وہ وعدہ ہے جو دنیا کی کسی آسمانی کتاب کے لئے خدا نے نہیں فرمایا تھا اس سے معلوم ہوا وہ دنیا کی آخری کتاب اور اس کا رسول دنیا کا آخری پیغمبر ہے اب جو کچھ فیض دنیا کو پہنچے گا اسی کے ذریعے پہنچے گا۔

## ہندوستان میں روشنی وحدت وبازگشت

چنانچہ صرف ایک ملک ہندوستان پر غور کیجئے۔

مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ہندوؤں میں بہت سے ایسے مصلح پیدا ہوئے جنہوں نے بت پرستی کے خلاف توحید کا وعظ کیا اور لوگوں کو اس دین کی دعوت دی، چودھویں صدی عیسوی میں راما نند۔ سیاسی نے اصول توحید پر ایک نئی جماعت قائم کی جس کا خیال یہ تھا کہ دنیا کے تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہے، پندرہویں صدی میں کبیر نے ہندوؤں کی بت پرستی اور دھرم شاستری کا خاکہ اڑایا اور مسلمانوں کو ان توہمات سے آگاہ کیا جن میں وہ مذہب کے نام سے گرفتار ہو گئے تھے اس طرح ہندو اور مسلمان کے مذہبی تفریقات کو بالائے طاق رکھنا کبیر کا خاص مقصد

معلوم ہوتا ہے جو اسلام کی تعلیم کا مقصد اولین تھا، سکھ مذہب کی ابتداء بھی اسلامی اثر کے ماتحت معلوم ہوتی ہے اور اب بھی جہاں کہیں سے یہ آواز آرہی ہے وہ اسلام ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

## اسلام کی دعوت اتحاد کا صحیح مفہوم

ان تاریخی حقائق سے واضح ہوا ہو گا کہ اسلام نے وحدت دین کا جو تخیل پیش کیا ہے وہ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک مختلف ملکوں میں کس طرح پیدا ہوا تا رہا ہے اور دنیا میں جو راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک پر کھولا گیا، اس کی عملی شکلیں آپ کے بعد کہاں کہاں اور کیونکر ظاہر ہوئیں اسی بنا پر قرآن مجید کا وہ دعویٰ کس قدر صحیح اور واقعیت سے لبریز ہے جو اہل کتاب کے سامنے کیا گیا ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم اور تم خود ہیں ورنہ ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہمارے تمہارے درمیان جھگڑا نہیں ہے۔ جھگڑا تو جب تھا جب اصول میں ختلاف ہوتا اصول کو تو سب تسلیم کرتے ہیں البتہ فروع میں اختلاف ہے اور فروعی اختلافات کوئی اختلاف نہیں، یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ بندیوں سے دین میں تفریق پیدا کر دی تھی قرآن نے ان کو اصل دین یعنی ”دینِ قیم“ کی طرف بلایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ”تم سے وہی کہا گیا ہے جو تم سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ تمہارا دین وہی ہے جو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم وغیرہ کا تھا ساتھ ہی اس وحدت دین کا دوسرا رخ بھی اسی طرح سامنے رکھا گیا کہ جزیات کے اختلاف کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی۔

چنانچہ قبلہ وغیرہ کے تعین کے سلسلے میں اس حقیقت کو صاف طور

سے واضح کیا گیا۔ حالانکہ یہی چیزیں تھیں جن کی بناء پر یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو بے سرباطل کہا کرتے تھے۔ قرآن نے اصل مقصد کے مقابلہ میں ان چیزوں کو نظر انداز کیا۔

## عقیدہ وحدت دین اور سیاسی اتحاد

وحدت دین کی تعلیم کا ایک عملی اثر بھی تھا جو اور مذہب میں نظر نہیں آیا۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس کو مذہب کے حدود سے باہر حکومت کے قوانین اور احکام میں تلاش کرنا چاہئے۔ یہودیوں کی نظر میں دنیا میں صرف دو ہی قومیں تھیں بنو اسرائیل اور غیر بنو اسرائیل اور انہی دونوں تقسیموں پر ان کے قانون کے بنیاد تھی۔ عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے مسیحی یہود اور مت پرست تین قومیں تسلیم کی جاتی تھیں لیکن چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں ہے اس لئے وہ اکثر امور میں رومن لا کے ماتحت رہے لیکن رومن عیسائیوں میں بھی دو ہی تقسیمیں تھیں رومی اور غیر رومی۔ پارسیوں میں ایرانی اور غیر ایرانیوں کی تفریق تھی ہندو لوچ پنج ذاتوں میں بٹے ہوئے تھے۔

لیکن اسلام نے وحدت دین کے تخیل کی بناء پر قانون کی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق قرار دیئے۔ جن پر برابر تیرہ صدیوں میں عمل ہوتا رہا۔ مسلمان، اہل کتاب، شبہ اہل کتاب، کفار اور مشرکین ان قوانین کی وجہ سے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں رواداری پیدا ہوئی اور وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے مذہبی عقائد پر سختی سے پابند رہنے کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ میل جول پیدا کریں اور ”تعاون عمل“ کیلئے تیار ہوں

مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ ملکر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی قوت پیدا کرنا اسی عقیدہ کا کرشمہ تھا۔

## وحدت انسانیت

توحید کی تکمیل کے سلسلہ میں دو چیزیں اہم اہم اور انتہائی مانی جاسکتی ہیں ابتدا خدا کی حقیقی عظمت سے ہوتی ہے۔ اور انتہائی انسان کے اصلی مرتبہ پر مشرک، بت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، بتوں کو سجدہ کر کے پتھروں کو پوج کے، درختوں کے آگے جھک کے، جانوروں کو دیوتا جان کے جنات اور خبیث روحوں کی دہائی پکار کے آسمانی مخلوقات کو ارباب جان کے، انسان کو خدا کہہ کے حقیقت میں اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ انہوں نے انسان کے رتبہ اور حیثیت کو نہیں پہچانا دراصل انسان کو پتھروں سے، جانوروں سے، درختوں سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے اور چاند تاروں سے کمتر جانتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج ان کے لئے نہیں بلکہ وہ چاند اور سورج کے لئے بنے ہیں، چاند، سورج، دریا، جانور، آگ، غرض فطرت کے تمام مظاہر سورج سے لے کر زمین کے ریگنے والے کیڑوں تک سب ان کے آقا ہیں اور وہ ان کی غلامی کے لئے پیدا ہوئے ہیں، انسانی برادری بھی دیوتاؤں کی حکومت کی وجہ سے اوپچی پچی بلند و پست، شریف و ذلیل، مختلف طبقوں اور ذاتوں میں منقسم ہو گئی تھی کوئی پر میثور کے منہ سے کوئی ہاتھ سے اور کوئی پاؤں سے پیدا ہوا تھا اس لئے سب کے درجے برابر نہ تھے مساوات انسانی کا نام نہ تھا، مختلف جنسیں تھیں جن کا متحد ہونا ناممکن ہو گیا تھا، بابل، مصر، ہندوستان اور ایران کے حیا و مٹھ و شاہنشاہ اپنے بنی نوع سے اس قدر اونچے ہو گئے تھے۔ کہ ان کا عزل و نصب انسان کے ہاتھ میں نہ تھا بلکہ دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں تھا بلکہ وہ خود دیوتا اور رب اعلیٰ ہونے کے مدعی تھے۔

## مرتبہ انسان کا اعلان

محمد رسول اللہ صلیم نے آکر خدا کے سوا ہر شے کا خوف انسانوں کے دلوں سے نکال دیا۔ دنیا کے تمام پست و بلند اور نشیب و فراز کو برابر کیا۔ قوموں اور ذاتوں کا امتیاز اٹھا دیا دولت، فقر، رنگ و روپ، نسل، قومیت کے نشانات مٹ گئے اور فقر و غرور اور جبر و ظلم کا بازار سرد پڑ گیا سب انسان خدا کے بندے، سب اس کے سامنے برابر، سب باہم بھائی بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے۔

محمد رسول اللہ صلیم نے ہم کو بتایا کہ رات، دن، آفتاب، ماہتاب ستارے، جانور، دریا، آگ، درخت غرض کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے بنی ہے اور وہ انسان کی خدمت گزاری میں مصروف ہے پھر اس انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے جو اپنے خدمت گزاروں میں سے کسی کو اپنا معبود بنائے۔

انہوں نے اپنی وحی کے ذریعے سے دنیا کو یہ نکتہ سمجھایا کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اشرف ہے وہ خدا کی نیابت کا فرض انجام دینے آیا ہے اس کا سر خلافت الہی کے تاج سے ممتاز ہے! کروڑوں مخلوقات الہی میں خدا کی امانت کا حامل وہی ہوا، یہ منصب نہ فرشتوں کو ملا، نہ آسمانوں کو، نہ زمینوں کو، اور نہ پہاڑوں کو، قرآن مجید نے کہا کہ انسان بزرگیوں سے سرفراز، عالم مخلوقات میں سب سے برتر اور انعام و اکرام سے معزز ہے اس میں بروجر پر چھا جانے کی قوت ہے اس کی ہستی، معتدل قوی اور بہترین اندازے کے ساتھ مخلوق ہوئی ہے وہ کائنات میں خلیفۃ اللہ بن کر آیا ہے تو اب وہ کائنات میں خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے؟

غرض محمد رسول اللہ کی تعلیم نے انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اٹھا کر صرف ایک خدا کے آستانہ پر جھکا دیا اور بتا دیا کہ دنیا کی ساری چیزیں انسان کے کام میں لگی ہوئی ہیں اور اسی کے لئے بنی ہیں اب بتاؤ کہ وہ زمین کی کس ہستی کے سامنے اپنا سر جھکائے؟

دنیا نے انسانیت کی اس بلند سطح، حقیقت شناسی کے اس اعلیٰ تخیل اور ادائے فرض کے اس قوی احساس تک جو ترقی کے قدم اٹھائے ہیں ان کا مبداء اور دیباچہ بھی قرآنی تعلیمات تھیں۔ جنہوں نے انسان کی حقیقت اس پر آشکار کر کے اس کو خود شناس بنایا۔ ادائے فرض کی صورتیں سمجھائیں، افراد و اقوام کی شیرازہ بندی کی اور ان کو ایک سطح پر لا کر یک رنگی کا لطف پیدا کیا یہی چیز تھی جس سے بحری اور لونٹ چرانے والے انسان عالم کے گلہ بان بن گئے۔ ریت کے ذروں سے کھیلنے والے بے بدوی سیم و زور اور تخت و تاج پر بازی لگانے لگے، صحرا کی پشت پر لینے والی قومیں کیون کی چھت پر مسریاں بچھاتی تھیں اور چند نخلستانوں کے مالکوں کا نعرہ چار داگ عالم کو سب ملن الملک بجاتا تھا۔

## ہر قسم کی تفریقات کا ابطال

انسانوں نے فخر و غرور سے اپنی ایک متحدہ انسانیت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ بادشاہوں نے خدائی کا مرتبہ پایا تھا اور ان کو سجدے کئے جاتے تھے اور ان کے احکام خدائی فرامین کی صورت رکھتے تھے بابل کے نمرود اور مصر کے فرعون جو اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰی کا نعرہ لگاتے تھے۔

محمد رسول اللہ ہی کی آواز تھی جس نے ان کو ان کے تحت جبروت سے اتار کر عام انسانوں کے درجہ میں لا کر بٹھایا اور خدا کے سوا کسی کو شہنشاہ اور بادشاہ کہنا بھی ناپسندیدہ قرار دیا۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح اہل مذہب نے رسولوں، ولیوں اور شہیدوں کو خدائی اور الوہیت تک پہنچا دیا تھا محمد رسول اللہ صلعم نے ان میں سے ہر ایک کو بندگی اور عبودیت ہی کے مختلف مدارج اور مراتب پر متعین کیا اور سب کو یکساں خدا کا بندہ اور فرمانبردار قرار دیا۔ قوموں نے بھی اپنے لئے الگ الگ رتبے اور درجے قائم کر لئے تھے بنی اسرائیل اپنے کو خدا کا کنبہ کہتے تھے، ہندوؤں میں برہمن خدا کے مٹھ سے راجپوت اس



کے بازوؤں سے 'شور اس کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے تھے۔ روم میں رومن خاص بادشاہی کے لئے اور تمام غیر رومن صرف غلامی اور خدمت گاری کے لئے تھے اس طرح قوموں میں پستی و بلندی 'عزت و ذلت پاکی و ناپاکی کی وہ امتیازی دیواریں قائم تھیں جنہوں نے ایک انسانیت کو سینکڑوں انسانیتوں میں منقسم کر دیا تھا وہ محمد رسول اللہ صلعم ہی کی آواز تھی۔ جس نے امتیازی تفریق کی ان مدعی قوموں کو سب سے پہلے یہ خطاب کیا۔

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ      تم بھی خدا کی دوسری مخلوقات میں سے انسان ہو۔  
اور تمام امتیازات کی دیواروں کو دفعتاً منہدم کر کے سب کو انسانیت کی ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا۔ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ  
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ  
أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ  
اے انسانوں! ہم نے تم کو خاندان اور قبیلے  
بنا کر اس لئے پیدا کیا کہ تم آپس میں ایک  
دوسرے کو پہچانو بیشک خدا کے نزدیک تم  
میں سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب  
سے زیادہ پرہیزگار ہے

قومیت خاندان اور پیدائشی بزرگی اور بوائی کے تمام امتیازات کا آج خاتمہ ہو گیا اور ہندو، برہمن، یہودی، لادیوں اور عیسائی پوپوں کو اسی طرح سطح وجود سے مٹا دیا گیا جس طرح دوسری طرف نمرودوں، فرعونوں، قارونوں اور ہامانوں کو مٹا دیا تھا۔

ایک آدم سے تمام انسانی قوموں کا پیدا ہو کر پھیلنا اسلام سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں میں محض آغاز پیدائش (کسموگرینی) کے ایک نظریہ کی حیثیت رکھتا تھا آنحضرت صلعم نے اس کو اخلاقی تعلیم کا سنگ بنیاد قرار دیکر اس پر انسانی وحدت کی وہ عظیم الشان عمارت کھڑی کی جو انشاء اللہ اب کبھی منہدم نہ ہوگی۔ مغرور عربوں کے سب سے بڑے مجمع میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا۔

ان الله اذهب منكم عصبية  
 الجاهلية وفخر کم بالا باء  
 کلکم بنو آدم و آدم من تراب  
 اللہ نے جاہلیت کا غرور اور باپوں پر فخر کا  
 دعویٰ باطل کر دیا تم سب ایک آدم کے  
 بیٹے ہو اور آدم مٹی سے تھا۔

عرب کو عجم پر، عجم کو عرب پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر جو  
 امتیاز کا دعویٰ تھا۔ آج وہ باطل ہو گیا اور اعلان ہوا۔

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ  
 وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ  
 لَا فَضْلَ لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا  
 لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ  
 عرب کو عجم پر فضیلت نہیں اور نہ عجم کو  
 عرب پر۔  
 نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ  
 کالے کو گورے پر۔

غرض یہ وہ تعلیم تھی جس نے تمام انسانوں کو ایک کر دیا۔ عرب ہوں کہ  
 عجم، فرنگ ہوں کہ زنگ، ہندو ہوں کہ چینی سب انسانی اخوت کی ایک ہی صف میں دو شہ  
 بدوش کھڑے ہو گئے۔ توحید اور عموم رسالت کے اقرار پر کل دنیا کے انسان باہم  
 بھائی بھائی قرار پائے تقویٰ کے سوا ہر پیدائشی اور فرضی امتیاز باطل ہو گیا اور دنیا کو یہ  
 ندا دی گئی۔

لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا  
 وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا  
 ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک  
 دوسرے سے کینہ رکھو اور اے خدا کے  
 بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ان عظیم الشان غلطیوں میں سے جن میں لوگ ہمیشہ سے مبتلا تھے ایک یہ  
 تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ دین اور دنیا دو مختلف چیزیں ہیں دونوں کا دائرہ الگ الگ ہے جو

دین کو اختیار کرتا ہے وہ دنیا سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو دنیا اور خراف دنیا پر نظر ڈالتا ہے اس کے ہاتھ سے دین کا دامن چھوٹ جاتا ہے اس خیال نے اگرچہ ایران، ہندوستان، چین اور دیگر ممالک مشرقیہ میں عملی شکل اختیار کر لی تھی اور راہباں صومعہ نشین و بادشاہان لشکر شکن کے حدود زندگی اور دائرہ عمل میں ایسی حد فاصل قائم کر دی تھی کہ دونوں کا اجتماع و تعاون تقریباً ناممکن ہو گیا تھا تاہم اس سلسلہ میں زیادہ قابل توجہ وہ قومیں تھیں جو اپنے کو صحائف آسمانی کا پیرو اور سفیران الہی کا مخاطب اول سمجھتی تھیں۔ ہندو، بدھ، کنفوشی اور زرتشتی نقطہ ہائے نظر سے زیادہ قابل غور وہ تخیل تھا جس میں انسانوں کی تقسیم کردی گئی تھیں کہ ان میں کچھ دین کے کارکن تھے اور کچھ دنیا کے ہندوؤں میں خلقت برہمن دین کے لئے، راجپوت بادشاہی کے لئے دیش بیوپار اور کاشت کاری کے لئے اور شودر محنت و مزدوری کے لئے تھے اور ان کی عمروں کی بھی تقسیم کردی گئی تھیں کہ تیس برس تعلیم کے اور تیس برس کمانے کے اور تیس برس عبادت کے۔ یودھوں میں بھٹکوالگ کر دیئے گئے تھے جن کا کام صرف دھرم سیوا تھا اور دنیا دار الگ تھے جو دنیا کا کاروبار کرتے تھے اور جن پر بھٹکوں کے تمام اخراجات کا بار تھا۔

یہودیوں میں لاوی دین کے کاہن تھے وہ دنیا کے کاموں سے الگ رکھے گئے تھے وہ خاندانی ترکہ و وراثت سے بھی محروم تھے کہ یہ دنیا کی چیزیں تھیں اور باقی لوگ دنیا دار تھے۔ عیسائیوں نے اس امتیاز اور تفریق کی دیوار کو اور زیادہ بلند کر دیا تھا انہوں نے تو خدا اور قیصر اپنے دو حکمران فرض کئے تھے اور یہ تعلیم پائی تھی کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے۔

یہود و نصاریٰ نے اس غلط خیال کے مطابق اپنے کو ڈھالنے کی جس طرح کوشش کی اس کی عملی شکل دو متضاد طریقوں سے ظاہر ہوئی یعنی یہود نے عقبی کا

حاصل دنیا کو سمجھا اور نصاریٰ نے عقبیٰ کو، یہود کی حکومت و سلطنت مال و دولت اور تمام سودی کاروبار کا بنی صرف یہ خیال تھا کہ انسان کے اعمال و افعال کا مرجع دنیا ہے اس لئے انہوں نے دین کو بالائے طاق رکھ کر اپنی توجہ تمام تر دنیاوی چیزوں تک محدود رکھی۔ اور ہر نیکی کا معاوضہ اسی دنیا کی نعمت کو سمجھا اور اسی لئے ان میں ایک بڑا فرقہ وہ تھا جو صرف دنیاوی انعامات پر اعتقاد رکھتا تھا اور آخرت کا قطعاً منکر تھا خلاف اس کے اگلے نصاریٰ نے زرخاف دنیوی کو ہاتھ نہیں لگایا وہ ہر نعمت کو آسمانی بادشاہت میں تلاش کرتے رہے اس نے راہبانہ طریقہ زندگی اور زاہدانہ طرز معیشت اختیار کیا۔

## اسلام کی تعلیم

لیکن پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ذریعہ سے جب اسلام آیا تو اس نے دنیا کی اس قدیم غلط فہمی کو دور کیا اور بتایا کہ یہ دونوں چیزیں دو نہیں بلکہ ایک ہیں۔ دین دنیا ہے اور دنیا دین ہے دین میں جب خواہشات نفسانی شامل ہوں تو دنیا ہو جاتا ہے اور دنیا میں احکام الہی کا تتبع پیش نظر ہو۔ تو دین ہو جاتی ہے اس طرح جو چیز ان دونوں کے درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے۔ وہ انسان کا نقطہ نظر ہے اگر وہ صحیح ہو تو پھر یہ حد بھی قائم کرتی ہے اور دونوں چیزیں ایک ہو جاتی ہیں وہی حکومت و سلطنت جس کو دنیا سمجھا جاتا ہے اگر وہ خدا کی مرضی کے لئے کی جائے تو دین ہو جاتی ہے۔ مال و دولت جمع کرنا دینا ہے لیکن اگر احکام الہی کے تحت ہیں اس سے حق والوں کی خدمت پیش نظر ہو تو دین ہو جاتا ہے۔ خود کشی دنیا ہے لیکن اگر احکام خداوندی کی تعمیل میں کوئی اپنی جان فدا کرے تو شہادت کی شکل پا کر دین ہو جاتی ہے۔

پیغمبر اسلام فدائے الہی نے عملی شکل میں ہم کو یہ صورت بتلائی۔ آپ کی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قیام لیل، عبادت شبانہ۔ تلاوت قرآن، تبلیغ احکام، غزوات، فتوحات، مہمات سلطنت کی مصروفیت غرض آپ کی سیرت کا ایک ایک واقعہ دین بھی

تھا اور دنیا بھی عین اسی وقت جب آپ پر سکندر و قیصر ہونے کا دھوکا ہوتا تھا آپ سفیر الہی اور فرشتہ یزدانی نظر آتے تھے آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے بھی اس نکتہ کو واضح کیا اور ان کے تمام زریں کارناموں کے اندر وہی روح نظر آئی جو دین اور دنیا کی ترکیب و امتزاج سے پیدا ہوئی تھی اور جو قرآن پاک کے منشاء کے عین مطابق تھی قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں انسانی اعمال کی جزا کو دینا اور دین دونوں سے متعلق فرمایا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ انسان کو نیکی یا بدی کا پھل دنیا میں بھی ملتا ہے اور عقبیٰ میں بھی ملے گا یہ نکتہ صحابہ کرام کے بعد عرصہ تک مسلمانوں کے پیش نظر رہا۔ اور جب تک وہ اس کو سمجھتے رہے ان کے تمام اعمال و افعال میں تکمیلی رنگ نمایاں رہا۔ ان کی دنیا عین دین رہی اور دین عین دنیا۔

## مسلمانوں کے زوال کا حقیقی سبب

لیکن جب اس سے نقطہ نظر میں تبدیلی واقع ہوئی ان کے کام ابتر ہو گئے اور ان میں اسلام کے بجائے یہودیت اور نصرانیت کا رنگ جھلکنے لگا ان میں اہل کتاب کی طرح دین اور دنیا دو مستقل اور جداگانہ چیزیں قرار پائیں بعض اعلانیہ دنیا کو اختیار کر کے دین سے غافل ہو گئے اور یہود کے خیال کو زندہ کر دیا۔ بعض نے ترک دنیا کر کے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور عیسائیوں کی راہبانہ زندگی کی یاد تازہ کر دی اس کی ایک محسوس اور بین مثال خلافت کے حدود میں ملتی ہے پہلے خیال کے تسلط کے زمانہ میں خلیفہ دینی مقتداء اور دنیاوی سردار کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا لیکن جب دوسرا خیال مستولی ہوا تو ملوکیت اور پاپائیت کی صورت پیدا ہو گئی یعنی مذہبی پیشوا الگ ہو گئے اور دنیاوی حکومت سلاطین کے قبضہ و اقتدار میں چلی گئی۔ اس تفریق نے مسلمانوں کی قومی قوت کو اور اجتماعی شیرازہ کو جس طرح توڑا اور منتشر کیا اس کے شواہد تاریخی دفتر سے باہر ان کی موجودہ حالت کے اندر آج بھی ملتے ہیں جن کو ماہروں کے فلسفے تاریخی

کے علاوہ امراض قوی کا ہر نبض شناس آج بھی سمجھ سکتا ہے اور جب کہ ہم اپنی موجودہ  
 بہتری اور پستی کا احساس کر کے اس مرکزی خیال کی طرف عود کریں جو ہماری ترقی  
 سرسبزی اور تفوق کا ضامن تھا جس کے اندر اسلام کی روح جلوہ گر تھی اور جو یہودیت  
 و عیسائیت سے بالکل علیحدہ تھا۔

آج مسلمان قومیں یا تو یہودی تخیل کا شکار ہیں اور یا عیسوی تخیل کا۔ محمدی  
 دعوت آج اکثر ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے آج ممبر اور تخت دو سمجھے جاتے ہیں اور  
 سپہ سالار اور امام نماز دو گروہ ٹھہرائے جاتے ہیں حالانکہ ہمارا ممبر اور تخت ایک تھا اور  
 ہمارے سپہ سالار ہی ہماری نماز کے امام ہوتے تھے۔

## اسلام کی طرف آؤ

مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو ایک مدت سے  
 فراموش کر دیا ہے انہوں نے بھی دین و دنیا کے حدود مقرر کر لئے ہیں اور خدا اور  
 قیصر دو شہنشاہوں کی رعایا بن گئے ہیں وہ سلطنت و حکومت اور تجارت و کسب زر اور  
 تعلیم ہنر کو دنیا کا کام اور صرف نماز و روزہ اور تسبیح و وظیفہ خوانی کو دین کا کام سمجھتے ہیں  
 حالانکہ حسن نیت ہو تو ہر دنیاوی جدوجہد، ہر سیاسی سعی و فکر، ہر تعلیمی عمل و خدمت ہر  
 تجارتی شغل و کاروبار، ہر صنعتی ترقی و اقدام اور ہر ایجاد و اختراع سراسر دین ہے اور حسن  
 نیت نہ ہو تو رات بھر کی نماز اور دن بھر کا روزہ دین نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے جس مذہب کو پیش کیا ہے اس میں دین و دنیا کی تفریق اگر کسی معنی میں ہے  
 بھی تو کاموں کے امتیاز کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ دلوں کی نیتوں کے فرق کی وجہ سے  
 ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس کی بناء پر اسلام جب دین بن کر آیا تو ساتھ ہی ساتھ  
 سلطنت و حکومت کا پیام بھی لایا۔ بد مذہب میں دین الگ سے آیا اور دنیا الگ سے بنی  
 اسرائیل کو دین ملنے سے چار برس کے بعد سلطنت ملی، عیسائیت کو حضرت عیسیٰ کے  
 صدیوں کے بعد تخت کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جس وقت مدینہ منورہ میں اپنے دین کا ممبر نصب فرمایا اسی وقت دنیا کا تخت بھی چھ گیا اور اسی وقت عظیم الشان دروہانی و تجارتی و سیاسی، علمی و تعلیمی غرض تمدن و تہذیب کے تمام شعبے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہو گئے تیس برس کے اندر اندر خلیج فارس سے لے کر بحر ظلمات تک دین و اخلاق، علم و عمل، عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور تہذیب و تمدن کی ایک نئی دنیا پیدا ہو گئی۔ اہل اسلام اور اہل کتاب کی مشترکہ و متحدہ قومیت نے انسانی اخوت کی ایسی نظیر پیش کی جس کی مثال دنیا نے نہیں دیکھی تھی اور عرب و عجم، ترک و چین، ہند و روم اور بربر و حبش نے مل کر کے علم اتحاد کے زیر سایہ ایسی اخوت عامہ کی بنیاد ڈال دی جس کے مناظر اس دور ترقی میں بھی نظر نہیں آسکتے۔

اس تھوڑی سی مدت میں انقلاب کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ دین و دنیا کے کاموں کی تفریق کی دیوار اس نے ڈھادی تھی رہبانیت اور گوشہ نشینی کا کام اس نے عبادت نہیں رکھا تھا بلکہ ملکوں کے فتوحات ہوں مدرسوں کی تاسیس ہو تجارت کے بری و بخری سفر ہوں جنگی مشاغل ہوں یا امن و صلح کی کوششیں ہوں حصول رزق اور کسب دولت کی صحیح مساعی ہوں یا غریبوں، یتیموں اور مسافروں کی امداد کے کام ہوں، آل و اولاد اور زن و فرزند کی مخلصانہ خواہش یا خدا کیلئے تن تہاجد و جہد اور جہاد ہو ان میں سے ہر کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب میں دین تھا اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ ہر سعی و محنت اور جدوجہد جو خدا کی مرضی کے حصول کی خاطر ہو سر اسر دین ہے۔

مسلمانوں کی گزشتہ تباہی و بربادی کا اصلی سبب یہی ہوا کہ انہوں نے دین و دنیا کی اس وحدت کے نکتہ کو فراموش کر دیا۔ بادشاہ دنیاوی کا روبرا کا اور شیخ الاسلام دینی معاملات کا ذمہ دار بنا اور عیسائیوں کی طرح دین الگ اور دنیا الگ قیصر الگ اور خدا الگ قرار دیا گیا ہے دینی کاموں کی فرست الگ بنالی گئی اور دنیاوی کاموں کی فرست الگ تیار کی گئی کچھ لوگوں نے اپنے کو خانقاہوں مسجدوں اور حجروں میں بند کر کے اپنے کو دین کا خادم کہلایا اور کچھ لوگوں نے دنیا کے بازاروں اور جدوجہد کی صفوں میں پہنچ کر

اپنے کو دنیا دار قرار دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دین ہونے کے مدعی دنیا کے کاموں کے لائق نہ رہے اور کھلم کھلا اہل دنیا کہلانے والے خدا کے خوف و حیثیت کو بھلا اور اس کی رضا کی دولت کو کھوپٹھے۔

اب امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ پر فرض ہے کہ وہ دین و دنیا کی وحدت کے اس راز کو سمجھے اور اپنی نجات و فلاح کی تدبیر تلاش کرے۔



## ایمان



## جماعتوں کی تنظیم

کسی ذہنی اساس ملت اور بنیادی عمل سے ہوتی ہے

دنیا کی وہ تمام عظیم الشان قومیں جنہوں نے دنیا میں کوئی بڑا کام کیا ہے یا جو دنیا میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے پورے نظام ہستی کو کسی ایک قانون پر مبنی کریں اور اپنی تمام منتشر قوتوں کو کسی ایک اصول کے تحت مجتمع کریں۔ زندگی کے سینکڑوں شعبے اور بھائے ہستی اور ترقی کے ہزار ہا شاخ و در شاخ اعمال جو دیکھنے میں تمام تر منتشر، پراگندہ، متفرق اور ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں، ان سب کے درمیان ایک واحد نظام، ایک متحدہ اصول، ایک مشترکہ جامعیت پیدا کریں، جن کا شیرازہ ان متفرق و پراگندہ اور اق کو ایک منظم کتاب بنادے۔

دنیا جب سے بنی ہے، تب سے آج تک ہزار ہا قومیں پیدا ہوئیں اور مری ہیں لیکن کسی قوم نے اس وقت تک ترقی نہیں کی ہے جب تک اس کے اندر اس کی زندگی کا کوئی واحد نظام نہیں پیدا ہوا ہے، اور کسی واحد عقیدہ نے ان کے اندر یہ اہمیت نہیں پیدا کر لی ہے کہ وہ اس کے تمام افراد کی زندگی کی غرض و غایت، اور اس کے تمام اعمال کا مرکز و مرجع اور جست و قبلہ نہ بن گیا ہو، وہی واحد عقیدہ بڑھ کر واحد جماعت اور

اس سے بھی زیادہ پھیل کر ایک واحد ملت کی تخلیق و تکوین کرنا ہے۔

ہم اس کو ایک مثال میں سمجھانا چاہتے ہیں، روم کی سلطنت کا آغاز ایک گاؤں سے ہوا، اور رفتہ رفتہ یہ نقطہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ صدیوں میں ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی۔ اس دائرہ کا نقطہ خیال، مرکز اتحاد، جستِ اشتراک، اساس جامعیت، رومیت قرار پائی، جس نے رومیت کے اصول کو تسلیم کیا، اس کو شہر روم کے باشندوں کے حقوق عطا ہوئے۔ اور جس نے قبول نہ کیا، یا جس کو یہ شرف خود رومیوں نے عطا نہیں کیا، وہ ان حقوق سے محروم رہا، صدیوں تک یہ رومیت، رومی قوم کی زندگی کا شعلہ، حیات رہی، اور اسی کی روشنی میں پورا رومن امپائر اسپین سے لیکر شام تک جگمگاتا رہا، مگر جیسے جیسے یہ روشنی ماند پڑتی گئی، اندھیرا چھٹا گیا اور جیسے جیسے یہ رومی عمارت کی یہ مستحکم بنیاد کمزور پڑتی گئی، ڈھتی گئی، یہاں تک کہ ایک دن یہ عمارت گر کر زمین کے برابر ہو گئی۔

الغرض قوموں کی موت و حیات کسی ایک ”تخیلہ“ کی موت و حیات پر موقوف ہے۔ جس کی زندگی سے ان کی زندگی، اور جس کی موت سے ان کی موت ہے۔ گذشتہ جنگ میں اور اس جنگ میں بھی آپ سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں کہ انگریز، جرمن، یا جرمن، انگریز سے لڑ رہے ہیں۔ نہیں، انگریزیت جرمنیت سے، یا جرمنیت انگریزیت سے لڑ رہی تھی اور لڑ رہی ہے، قوم، قوم سے نہیں لڑ رہی ہے، بلکہ ایک یقینی تخیل دوسرے یقینی تخیل سے لڑتا ہے۔

قوم کی زندگی کا وہ یقینی تخیل، اس کے تمام کاموں کی اساس و بنیاد بن جاتا ہے۔ پوری قوم اور قوم کے تمام افراد اس ایک نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، وہ نقطہ ماسکہ ان کی پوری زندگی کا محور بن جاتا ہے۔ اسی ایک تخیل کا رشتہ منتشر افراد کو بھائی بھائی بنا کر ایک قوم کے مشترکہ افراد ترتیب دیتا ہے۔ اور ایک واحد، متحد، منظم اور قومی قوم بنا کر

کھڑا کر دیتا ہے۔

جب کبھی دو قوموں کا مقابلہ ہوگا تو ہمیشہ اس کو فتح ہوگی، جس کا نقطہ تخیل زبردست ہوگا، اور جس کے افراد اس رشتہ حیات میں سب سے زیادہ مضحکم بندھے ہوں گے، اور جو اس مشترک اساس و بنیاد پر سب سے زیادہ متفق و متحد ہو گئے، عربوں نے اسی قوت سے قیصر و کسریٰ کو شکست فاش دی، عربوں کے پاس ایرانیوں کے خزانے اور نہ رومیوں کے اسلحہ تھے۔ مگر ان کے پاس وہ قوت ایمانی تھی جس سے ایرانی اور رومی محروم تھے۔

جب کوئی قوم تنزل پذیر ہوتی ہے، تو اس کی وہی قوت ایمانی کمزور ہو جاتی ہے، اس کی وہی مشترک اساس و بنیاد منہدم ہونے لگتی ہے، اور قوم کی زندگی کا مقصد اس مشترکہ قومی غرض و غایت سے ہٹ کر اپنے اپنے نفس، اپنے اپنے خاندان، اپنی اپنی جماعت میں مٹ جاتا ہے، اسلئے اس میں قومی خائن پیدا ہوتے ہیں، جن کے پیش نظر اس مشترکہ جامعیت کے فوائد و نقصانات کے بجائے خود اپنی ذات و خاندان کا فائدہ و نقصان ہوتا ہے۔

مٹھی بھر انگریزوں نے ہندوستان کے روپے سے، ہندوستان کے سپاہیوں سے، خود ہندوستان کو فتح کیا، حالانکہ اس وقت پورے ملک میں اودھ، رومیلکھنڈ، بنگال، مرہٹہ، میسور، حیدرآباد کی ایسی عظیم الشان طاقتیں تھیں، جن کے بس میں تھا کہ انگریزوں کو پوری طرح شکست دیدیں، مگر ایسا نہ ہو سکا، اس لئے کہ انگریزوں کے سامنے ایک متحدہ مشترکہ تخیل تھا جس پر پوری قوم متفق تھی۔ جو انگریز جہاں بھی تھا چاہے وہ سپاہی ہو یا گودام کا کلرک ہو، یا سوداگر ہو، یا ڈاکٹر ہو، یا جہازل ہو، یا گورنر ہو، ہر ایک کے سامنے ایک ہی بلند مقصد تھا، اور وہ انگلستان کی سر بلندی اور عظمت، لیکن ہندوستانیوں کے سامنے باوجود طاقت و قوت کے کوئی ایک متحدہ غرض، مشترکہ

جامعیت، واحد اساس کار اور متفقہ بنیاد عمل نہ تھی، جس کا چھاؤ جس کی حفاظت اور جس کا اعلاء پوری قوم کی غرض و غایت اور بنیاد و اساس ہوتی، ہر نواب، ہر رئیس ہر سپہ سالار، ہر سپاہی، اور ہر نوکر کا مقصد اپنی فکر اور اپنی ترقی تھی، اس حالت میں نتیجہ معلوم۔

اب ایک اور حیثیت سے نظر ڈالئے، دنیا کی ہر متمدن قوم کے پورے نظام زندگی کا ایک اصل الاصول ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ آج روسی بالشوسٹ کے سارے نظام کا ایک واحد نقطہ خیال ہے۔ اور وہ سرمایہ داری کی مخالفت ہے، جو اس نظام کی اصل اساس ہے، اب جس قدر اس نظام کی شاخیں، شعبے، صیغے اور کام ہیں سب ایک اصل الاصول یعنی ”سرمایہ داری کی مخالفت“ پر مبنی ہیں، اسی طرح ہر ترقی یافتہ قوم کے تمدن اور نظام ہستی کا ایک اصولی نقطہ ہوتا ہے، جس کے تحت میں اس تمدن اور نظام ہستی کے تمام شعبے اور فروع ہوتے ہیں۔

اسی طرح آج انگریزی جدوجہد کی بنیاد، انگریزی سرمایہ داری، امریکن تمدن کی بنیاد، امریکن سرمایہ داری، نازی تمدن کی بنیاد جرمن قوم کی سر بلندی، اور فہسٹ کی بنیاد پرانی رومی قیصریت کی دوبارہ تعمیر پر ہے۔ اگر کسی تمدن اور نظام کا یہ سرائیکال دیا جائے تو اس تمدن کے تمام اجزاء اور اس نظام کے تمام شعبے، بے معنی، بے سود اور بے اساس ہو کر رہ جائیں اور چند ہی روز میں وہ تمام سر رشتے تار عنکبوت ہو کر ناپود ہو جائیں، اسی لئے ہر قومی تمدن اور نظام ملت کو سمجھنے کے لئے اس کے اس اساس کار، سر رشتہ خیال، اور اصل الاصول کو سمجھنا چاہیے، جب تک وہ سراہا تھ نہ آئے گا اس نظام ملت کا الجھاؤ سلجھ نہیں سکتا۔

## ملتوں کا اختلاف متخیلہ کے اختلاف سے ہے

اس نکتہ کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا میں گو ہزاروں ملتیں اور قومیتیں ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک ملت و قومیت کا اصل انفرادی تشخص، اور امتیازی وجود، اس

کے گوشت، پوست، ہڈی اور رنگ دروغن سے نہیں، یہ تو اوپری سطح اور ظاہری قشر پر کے نشانات اور خطوط ہیں۔ ان کا اصل انفرادی اور مستقل تشخص اور امتیازی وجود ان ایمانیات اور یقینیات سے ہے، جو ہر ایک کے دل میں بسے اور ہر ایک کے رگ وریشہ میں رچے ہوئے ہیں۔

آج ہندوستان میں ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی، جین، سکھ ہزاروں قومیں آباد ہیں، مشکل و صورت اور رنگ و روپ کے لحاظ سے ان میں کوئی تفاوت نہیں، اگر ہے تو ہر ایک کے اس متخیلہ میں ہے جس سے اس کی ملت کی تعمیر ہوئی ہے اس لئے کسی ملت کے متخیلہ کو بدل دینے کے معنی اس ملت کو مٹا دینے کے مترادف ہے دنیا میں جو کمزور قومیں فنا ہوئی ہیں ان کی صورت یہی ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنا متخیلہ ایمانی چھوڑ کر کسی دوسری طاقت ور قوم کے متخیلہ ایمانی کو قبول کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم مٹ گئی، اور دوسری قوم میں ضم ہو کر وہ خود فنا ہو گئی، ہندوستان کے یونانی، سیتھین اور بدھ کیا ہوئے؟ ایرین ہندوؤں میں سا گئے، ایران کے بجوسی کدھر گئے، مسلمانوں میں مل گئے، مصر کے قبطی کہاں گئے، عربوں میں شامل ہو گئے، سسلی اور اسپین کے عرب کیا ہوئے، اٹلی اور اسپین والوں میں گھل گئے۔

## تجدید کی سعی بھی اسی متخیلہ کی مدد سے ممکن ہے

کسی قوم و ملت کی اس تعمیری حقیقت سے باخبر رہنا صرف اس لئے ضروری نہیں کہ وہ ہے، اور وہ اس سے بنی ہے، بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی تجدید و اصلاح کی جب کبھی ضرورت پیش آئے تو اس حقیقت کا واقف کار اسی کے ذریعہ سے اس کی تجدید و مرمت کرے۔ اس کی وہ تعمیری حقیقت وہ ساز ہوتا ہے جس کے چھیڑنے سے اس قومیت و ملت کا ہر تار اپنی جگہ پر حرکت کرنے لگتا ہے۔ اہل توحید کے لئے توحید کی آواز اہل صلیب کے لئے صلیب کی پکار گاؤ پرست کے لئے گائے کی

آواز، سحر و طلسم کا حکم رکھتی ہے، جس سے ایک لمحہ میں قوم کی قوم میں جان پڑ جاتی ہے اور ست و ناکارہ قوم بھی کروٹیں بدلنے لگتی ہے، اور آواز کی طاقت کے مطابق سرگرم عمل ہو جاتی ہے۔

فرض کرو دنیا میں آج چالیس کروڑ کی تعداد میں ایک ملت آباد ہے جس کا نام مسلمان ہے اس ملت کی حقیقت کیا ہے؟ توحید الہی اور رسالت محمدی پر ایمان لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ اگر کوئی اس ملت کی حقیقتِ تعمیری کو مناڈالے تو یہ چالیس کروڑ ملت واحدہ چالیس کروڑ قومیتوں میں منقسم ہو کر دم کے دم میں فنا ہو جائے گی اور یہ چالیس کروڑ افراد کا کارواں جو ایک صدائے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جس پر حرکت کر رہا ہے اب اس کی حرکت کے لئے مختلف آوازوں کے چالیس کروڑ جرسوں کی ضرورت پیش آئے گی جس سے دنیا کی قوموں کا تصادم جائے کم ہونے کے حد قیاس سے زیادہ بڑھ جائے گا اور ان کے باہمی جنگ و جدول کوئی ایک متحدہ آواز روک نہیں سکتی۔

الغرض ملت کی یہ تعمیری حقیقت، ہر ملت کی روح ہوتی ہے، اس کی بقاء سے اس کی زندگی، اور اس کی موت سے اس کی فنا ہوتی ہے، یہی ملت کے جسم کا گرم خون ہے جس سے رگ رگ میں زندگی کی لہر دوڑتی ہے، اور سعی و عمل کی قوت بیدار ہوتی ہے۔

کسی قوم کی اس اساس ملت اور بنیادِ تعمیر سے ہٹ کر جب کبھی اس تجدید کا کام کیا جائے گا تو وہ ساری کوشش بے کار جائے گی، فرض کرو کہ ایک ہندو قوم ہے اس کی قومیت کی بنیاد وہ خاص تخیلات و جذبات ہیں جو ہزار سال سے اس میں پیدا ہو کر اس کی حقیقت کے اجزاء بن گئے ہیں۔ ذات پات، چھوت چھات، گائے اور گنگا، وہ مسالے ہیں جن سے اس کی قومیت کی تعمیر ہوئی ہے، بدھ کے عہد سے آج تک مختلف و قتل



میں بیسیوں ریفرمر اس قوم میں پیدا ہوئے جنہوں نے اس قوم کی ماہیت کے ان اجزاء کو بدل دینا چاہا۔ مگر کیا یہ آج تک ممکن ہوا؟ اور جب کبھی اس آواز میں عارضی کامیابی بھی ہوئی تو بودھ، جین کبیر پنپتی، سکھ قومیں اور الگ الگ بن گئیں، مگر ہندو قومیت اپنی جگہ پر قائم رہی۔

مسلمانوں میں اسلامی حکومت کے زوال کے بعد سے آج تک بیسیوں تحریکیں مسلمانوں کی تجدید اور نشاۃ ثانیہ کی نام سے اٹھیں اور پھیلیں، مگر جو کامیابی مولانا اسماعیل شہید کی تحریک کو حاصل ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی ذہنی و عملی قوت کو بیدار کرنے میں جو عظیم الشان کام کیا، اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ وہ تجدید اسلام کی اصل اساس، نظام حقیقی کو سامنے رکھ کر شروع کی گئی تھی، اور اس کے بعد بھی موجودہ زمانہ تک اسی تحریک کو فروغ ہو سکا جو اسی اساس ملت کے نام سے پیش کی جاتی رہی، اس کامیابی کا عارضی اور ہنگامی ہونا دراصل خود کارکنوں اور تحریک کے علم برداروں کے عارضی یقین اور ہنگامی ایمان کا نتیجہ ہے۔

## ایمان کے بغیر عمل ممکن نہیں

اب اس تشریح کے بعد اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو عذر نہ ہو گا کہ دنیا میں کوئی ترقی یافتہ قوم یا ترقی چاہنے والی قوم ممکن ہی نہیں جس کے پاس چند ایمانیات نہ ہوں، یا یوں کہو کہ چند اصول کار، اصول حیات، یا اصول نظام نہ ہوں، جن سے اس کی قومیت تخلیق ہوتی ہے، اور جن پر اس کی ملت و تمدن و حیات اجتماعی کی عمارت قائم ہوتی ہے اور جو اس کے منتشر افراد کے درمیان رشتہ اشتراک کا کام دیتے ہیں، اور جن کے تحت میں اس قوم کے نظام حیات کے تمام شعبے مکمل ہوتے ہیں، یہاں تک کہ کافرو مشرک قومیں بھی اس سے خالی نہیں ہیں ان کے بھی تمام اعمال و افعال ان کے

چند یقینی تخیلات اور عقائد کے تحت ہی میں آجاتے ہیں۔ اس حالت میں یہ کہنا کہ ایمانیات کے بغیر ترقی کے حسن عمل یا انسانیت کی نیکی کردار کا وجود ہوتا ہے، حقائق سے نامحرمی کا ثبوت ہے۔ ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کیا بلکہ نفس عمل اور نفس کردار ہی کا وجود ممکن نہیں۔ اب اگر عٹ ہو سکتی ہے۔ تو اس میں نہیں کہ ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود ہو سکتا ہے یا نہیں بلکہ اس میں کہ ان ایمانیات کے تحت میں حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود زیادہ بہتر ہو سکتا ہے یا ان ایمانیات کے تحت میں؟ لیکن یہ نہیں کوئی کہہ سکتا کہ کسی ایمان کے بغیر کوئی عمل کسی نظام حیات کے بغیر کوئی بلند کارنامہ حیات، اور کسی بنیاد کے بغیر کوئی مستحکم عمارت قائم ہو سکتی ہے، آپ اس کا نام انسانیت رکھیں، قومیت رکھیں، وطنیت رکھیں، بالشوزم رکھیں، ملت پرستی رکھیں، یا توحید یا خدا شناسی رکھیں، جو چاہے رکھیں اور جو چاہے قرار دیں، بہر حال یہ مقدمہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ ایمان کے بغیر عمل صالح کا وجود ممکن ہی نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارا وہ اساسی خیال، جس پر ہماری ملت کی بنیاد ہو، اور جو ہمارے تمام اعمال کا سرچشمہ بنے کیا ہونا چاہیے؟

## نسل و وطن کے عقیدہ کی ناکامی

دنیا کی قوموں نے اساس ملت کی بنیاد جغرافی حدود اور نسلی خصوصیت کو قرار دیا۔ رومیوں کی ہزار سالہ حکومت، رومی وطنیت کے سارے پر قائم رومی، ہندوؤں، پارسیوں اور یہودیوں کی قومیت نسلی امتیاز پر مبنی ہے۔ یورپ کی موجودہ قومیتیں، نسل و وطن کی دہری دیواروں پر کھڑی ہیں۔ لیکن خود غور کرو کہ جغرافی حدود، اور نسلی و وطنی خصوصیات نے قوموں کو کتنا دل تنگ، محدود خیال، اور متعصب بنادیا ہے۔ دنیا کی اکثر خوں ریزیاں، لڑائیاں، اور قومی منافرتیں ان ہی جذبات نے پیدا کی ہیں

قدیم تاریخ میں ایران و روم کی صد سالہ جنگ اور خود یورپ کی گزشتہ عالمگیر جنگ جس میں انسانوں نے انسانوں کو درندوں کی طرح چیر اور پھاڑا، اسی نسلی و طنی جذبات کی شعلہ افروزی تھی اور آج کا خونی تماشا بھی اسی جذبہ کا نتیجہ ہے۔

یہ نسلی اور وطنی انفرق قوموں کے درمیان وہ خلیج ہے جس کو انسانوں کے ہاتھ کبھی پاٹ نہیں سکتے، نہ تو فطرۃً کسی نسل و قومیت کا کوئی پیدا شدہ انسان دوسری نسل و قومیت میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ایک مقام کا پیدا شدہ دوسرے مقام کا پیدا شدہ بن سکتا ہے۔ نہ کالا گور اکن سکتا ہے نہ گور اکالا اور نہ فرنگی زنگی بن سکتا ہے نہ زنگی فرنگی نہ جرمن کو انگریز بنایا جاسکتا ہے نہ انگریز کو جرمن نہ افغانی ہندوستانی بن سکتا ہے نہ ہندوستانی افغانی، آج پولینڈ کے کھنڈروں سے لیکر رومانیہ کے روغنی چشموں تک جو زمین خون سے لالہ زار ہے اس کا سینہ کیا اسی نسلی و وطنی خونخوار یوں سے داغ دار نہیں؟

غرض نسل و وطن کے دائرے اس مضبوطی سے فطرۃً محدود ہیں کہ ان کے اندر تمام دنیا تو کیا، چند قوموں کے سامنے کی بھی وسعت نہیں ہے ان دونوں کے جذبات و احساسات صرف ایک مختصر و محدود قوم کی جامعیت کا کام دے سکتے ہیں۔ کسی عالمگیر امن و صلح اور انسانی اخوت و برادری کی بنیاد اس پر رکھی ہی نہیں جاسکتی۔

پھر ان دونوں محدود تصورات کے ذریعہ سے اگر انسانوں میں کچھ شریفانہ جذبات پیدا ہو سکتے ہیں تو وہ ان ہی تنگ جغرافی و نسلی دائروں تک محدود رہیں گے اور کبھی تمام دنیا کے اس کے اندر سما جانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں ان اسی تصورات کے ذریعہ جن بلند انسانی اخلاق اور کیر کڑ کا پیدا کرنا مقصود ہے ان میں سے صرف نسل و وطن کی حفاظت کی خاطر شجاعت، ایثار اور قربانی کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں، مگر عمومی نیکی، تواضع، خاکساری، رحم، شفقت، عفت، صدق، امانت وغیرہ سینکڑوں ایجابی اور سلبی اخلاق ہیں جو ان کے ذریعہ نہ کبھی پیدا ہوئے ہیں نہ ہو سکتے

ہیں۔

آجکل یورپ کی تمام جنگ و جدل اور باہمی ہنگامہ آرائی اور تقابلی کا وہ پتھر جس سے ان کی دولت اور تہذیب و تمدن کا شیشہ چور چور ہو رہا ہے، یہی تنگ و محدود وطنیت و قومیت کا عقیدہ ہے، یہ وہ دیوتا ہے جس پر یورپ کی تمام قومیں بھیمنت چڑھ رہی ہیں۔ ہر قوم کے تمام دولت مندوں کی دولتیں، تمام عالموں کا علم تمام سائنسدانوں کی سائنس، تمام صنایعوں کی صنعتیں، تمام موجودوں کی ایجادیں، اپنی قوم کے سوا دنیا کی دوسری انسانی قوموں کی گرفتاری، محکومی، بربادی، اور ہلاکت میں صرف ہو رہی ہیں۔

آج ناز ازم اور فززم کا دور ہے۔ جس نے ایک بدترین مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جس میں ہر قسم کی حیوانی قوت کی نمائش، ہر قسم کی ہلاکت اور انسانی بربادی کا مہیب ترین منظر، اور قوت کے دیوتا کے سامنے ہر اخلاقی اور قانونی آئین کی قربانی کا تماشا سب کے سامنے ہے۔ یہ جو کچھ ہے، یہ وہی قومیت اور وطنیت کی خونخوار مذمت پرستی کا عبرتناک نظارہ ہے، جس سے نوع انسانی کی کسی بھلائی کی توقع نہیں ہو سکتی۔

## اقتصادی عقیدہ کا فریب

سوشلزم اور بالٹوزم اور دوسرے اقتصادی خیالات سے بھی بھلائی کی توقع نہیں کہ اس نے خود انسانوں کو سرمایہ دار و غیر سرمایہ دار دو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے وہ سب کچھ کیا ہے، اور کرنا چاہتی ہے جو کبھی کسی مذہب اور مذہبی محکمہ تقفیش نے انجام دیا ہے، قوموں کے ساتھ ان کی ناانصافی کا تماشا آج بھی دنیا ترکستان سے لے کر فین لینڈ تک دیکھ رہی ہے۔ اگر زبردستی کوئی بری چیز ہے تو مذہب سے زبردستی روکنا

بھی اتنی ہی بری چیز ہے، جتنا زبردستی سے کسی مذہب کو پھیلانا، اگر مسلمانوں کا گر جاؤں  
کا توڑنا، اور عیسائیوں کا مسجدوں کا منہدم کرنا ناجائز ہے، تو ملحدوں کا ان دونوں کو ہمار  
کرنا بھی ناجائز ہے۔

پھر ان تخیلات میں جن کی بنیاد محض پیٹ اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہے  
کسی میں اخلاقی نصب العین بننے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے اسی لئے ان کا محدود اقتصادی  
نظریہ پورے نظام، ہستی اور نظام زندگی کا معمہ حل نہیں کر سکتا۔

ان سب کے ماوراء یہ ہے کہ ضرورت تو یہ ہے کہ نسلیت و وطنیت کے  
تنگ دائروں سے نکل کر جس عمومی تصور کو اساس ملت بنایا جائے، ان میں بقاء اور دوام  
کی صلاحیت ہو، سوسائٹیاں اور جماعتیں جن کی بنیاد کسی مادی خود غرضی اور منفعت  
اندوزی پر رکھی جائے، وہ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتیں، چنانچہ جب سے دنیا بنی ہے، خدا  
جائے مادی اغراض کی بناء پر کتنی جماعتیں اور مجلسیں قائم ہوئیں، اور مٹ گئیں،  
انجمنیں روز بنتی اور بجوتی ہیں۔ اور سوسائٹیاں روز پیدا ہوتی ہیں اور مرتی ہیں۔ ایسی  
ناپائیدار اور سطحی چیزیں جامعیت ملت کی بنیاد اور اساس نہیں بن سکتی ہیں، اور نہ وہ  
ہمارے نظام حیات کا اصول اور معیار قرار پا سکتی ہیں۔

## صحیح ایمان کی ضروری خصوصیات

غرض عالمگیری اور دائمی اساس ملت اور صحیح بنیاد عمل بننے کے لئے ضروری  
ہے کہ جو چیز اساس و بنیاد قرار دی جائے اس میں حسب ذیل خصوصیتیں ہوں۔

- 1- وہ کوئی مادی غرض و غایت کی چیز نہ ہو، جو ہمیشہ بدل جاتی رہے۔
- 2- وہ کوئی محدود وطنی، نسلی، مت نہ ہو جو اپنے نسل و وطن سے باہر جا کر زندہ

نہ رہ گئے۔

3- وہ قومی، نسلی اور وطنی منافرتوں اور تفرقوں کو بچ و بنیاد سے اکھاڑ کر عالمگیر اتحاد اور اخوت کی بنیاد ڈال سکے۔

4- وہ تخیل عقیدہ بن کر ہمارے نیک افعال کا محرک، اور برے افعال کا مانع بنے، وہ انسانوں کو نیکی کے لئے ابھار سکے اور برائی سے روک سکے۔

5- وہ ایک ایسا دائمی صحیح اور سچا عقیدہ ہو جس کو مان کر اس برادری میں داخل ہونے میں کسی کو دقت نہ ہو۔

6- وہ ایک طرف بندوں میں اپنے خالق کے ساتھ گرویدگی اور بندگی کا تعلق پیدا کرے، اور دوسری طرف اپنی ہم جنس مخلوقات کے ساتھ محبت اور ادائے حقوق کا جذبہ پیدا کرے۔

## اسلام میں عقائد کی حقیقت اور اہمیت

ان چند عقلی مبادی کے ثبوت کے بعد اب آئیے اسلام کے اصول عقائد و مبادی کا جائزہ لیں، اسلام میں جس حقیقت کو عقائد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ درحقیقت یہی چند ذہنی اصول و مبادی ہیں جو جماعت کا کریڈٹ اور تمام انسانی افکار و خیالات کی بنیاد و اساس ہیں، انسان کے تمام افعال، اعمال، اور حرکات اسی محور کے گرد چکر کھاتے ہیں یہی وہ نقطہ ہے، جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے، اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے، کیونکہ ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک ہمارے خیالات اور جذبات ہیں، اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہماری اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں انہیں

چیزوں کی تعبیر ہم ”دل“ کے لفظ سے کرتے ہیں اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا۔

الاولان فی الجسد مضغة	انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے
اذا صلحت صلح الجسد	جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست
كله، واذا فسدت فسد	ہے اور اگر وہ جڑ گیا تو تمام بدن جڑ گیا ہاں
الجسد كله الا وهي القلب	وہ ٹکڑا دل ہے
(صحیح بخاری کتاب الایمان)	

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں سب سے پہلے قَلْبٌ سَلِيمٌ (سلامت رو دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر بالطبع نجات اور سلامت روی کے راستہ پر چلتا ہے، دوسرا اس کے مقابل میں قَلْبٌ اَیْمٌ (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو ہمیشہ گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے، اور تیسرا قَلْبٌ مُّثْنِبٌ (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بے راہ بھی ہوتا ہے تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہو جاتا ہے، غرض یہ سب نیرنگیاں اسی ایک بے رنگ ہستی کی ہیں جس کا نام دل ہے، ہمارے اعمال کا ہر محرک ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے، اسی بھاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا۔

إِنَّمَا أَلَا عُمَالُ بِالنِّيَّاتِ  
تمام کاموں کا دار و مدار نیت پر ہے۔  
(صحیح بخاری آغاز کتاب)

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا۔

انما لامرئ مانوی فمن  
 کانت هجرته الی دینا  
 یصیبها او الی امرأ ینکحها  
 فهجرته الی ماهاجر الیه  
 ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت  
 کرے تو جس کی ہجرت کی غرض دنیا کا حصول  
 یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہے تو اس کی ہجرت  
 اسی کے لئے ہے جس کیلئے اس نے ہجرت کی  
 (صحیح بخاری آغاز کتاب) (یعنی اس سے ثواب حاصل نہ ہوگا)

آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بد اہتہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لئے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے۔ اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے صحیح اور صالح عمل کے لئے ضروری یہ ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائیں اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دیں۔

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصول موضوعہ اور اصول متعارفہ کے مانے بغیر نہ بن سکتی ہے نہ ثابت ہو سکتی ہے اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح اور درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کے لئے بھی چند مبادی اور چند اصول موضوعہ ہم پہلے تسلیم نہ کر لیں جن کو ہم عقیدہ کہتے ہیں۔

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کیلئے ہم کو رہنما نظر آتی ہے، لیکن غور سے دیکھئے کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں۔ وہ ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اسی لئے اس پابہ زنجیر عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پاسکتے، اگر پاسکتے ہیں تو اپنے صحیح دلی یقینات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے ”ایمان“ کا ذکر ہمیشہ عمل صالح کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے۔ اور



ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ ایمان کے عدم سے دل کے ارادہ اور خصوصاً اس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے۔ جس پر حسن عمل کا دار و مدار ہے۔ عبد اللہ بن جدعان ایک قریشی تھا۔ جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کئے تھے، لیکن بائیں ہمہ مشرک تھا۔ اس کی نسبت آنحضرت صلم سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ ”یا رسول اللہ! عبد اللہ بن جدعان نے جاہلیت میں جو نیکی کے کام کئے کیا ان کا ثواب ان کو ملے گا“ فرمایا میں اے عائشہؓ ”کیوں کہ کسی دن اس نے یہ نہیں کہا کہ بار آہما! میرے گناہوں کو قیامت میں بخش دے“ (۱)

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جس کی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہو کر کہا ”اے محمد ﷺ! میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لئے چلنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے“ فرمایا۔ ”کیا تم اللہ عز و جل اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟“ اس نے جواب دیا نہیں ”فرمایا“ واپس جاؤ کہ میں اہل شرک سے مدد کا خواستگار نہیں۔“ دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی۔ مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی اس درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہو جائے، لیکن آنحضرت صلم نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ ”کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے؟“ اس نے پھر نفی میں جواب دیا، آنحضرت صلم نے پھر وہی فرمایا کہ ”میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا“ غالباً مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ کی بے نیازی کی اس کیفیت نے اس کے دل پر اثر کیا، تیسری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی ”اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم کو خدا اور رسول ﷺ پر ایمان ہے؟“ تو اس نے اثبات میں جواب دیا، تو اسلامی فوج میں ایک مجاہد کی حیثیت سے اس کو داخل ہونے کی اجازت ملی (۲) اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جماعت میں داخل ہونے کے لئے اس کے کریڈٹ اور عقیدہ کو تسلیم کرنا اس جماعت کی مضبوطی کی

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، غزوات، نسخہ قلمی دار المصنفین، لبنان، جلد ۶ صفحہ ۱۴۹ مصر

(۲) صحیح مسلم باب غزوات جلد دوم صفحہ ۱۰۶ مصر

سب سے پہلی شناخت ہے۔

غرض اسلام کے نقطہ نگاہ سے بھی ایمان ہی ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے۔ جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے، وہ ہماری سیر الہی کا اصلی سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ دیکھنے میں تو کام معلوم ہوتے ہیں۔ مگر روحانی اثر و فائدے سے خالی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں، خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضا مندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے، یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں، وہ ہمارے دل کا نور ہے، وہ نہ ہو تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد، 'نمائش' جاہ پسندی، خود غرضی اور شہرت طلبی وغیرہ کے دلی جذبات اور پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے۔

## ایمان کے اجزاء

اسلام نے چونکہ علم و عمل، تصور اور فعل، عقلیت اور عملیت میں لزوم ثابت کیا ہے اور عقائد کی راہ سے یہی اصل زور انسان کی عملیت پر صرف کیا ہے اس لئے اس نے عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین و اقرار ضروری قرار دیا ہے، جو عمل کی بنیاد، اخلاق و عبادات کی اساس قرار پا سکے، اور دل کی اصلاح و تزکیہ میں کام آ سکے، اور اسی لئے اس نے عقائد کے فلسفیانہ الجھناؤ اور تصورات و نظریات کی تشریح و تفصیل کر کے عملیت کو مباد نہیں کیا، چند سیدھے سادے اصول ہیں، جو تمام ذہنی سچائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں، اور ان ہی پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے اور صریح الفاظ میں اس ایمان کے صرف پانچ اصول تلقین کئے۔ (۱) خدا پر ایمان، (۲) خدا کے

فرشتوں پر ایمان، (۳) خدا کے رسولوں پر ایمان، (۴) خدا کی کتابوں پر ایمان اور (۵) اعمال کی جزا اور سزا کے دن پر ایمان۔

## ان اجزائے ایمانی کی حکمت

اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنها خالق اور مالک ہے، اور ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے تاکہ وہی ہمارے تمام کاموں کا قبلہ، مقصود قرار پائے اور اس کی رضا جوئی اور اس کی مرضی کی تعمیل ہمارے اعمال کی تنها غرض و غایت ہو، اور ہم جلوت کے سوا خلوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں۔ اور ہر نیکی کو اس لئے کریں، اور ہر برائی سے اس لئے بچیں کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی اس کی مرضی ہے، اس طرح اعمال ناپاک اغراض اور ناجائز خواہشوں سے مبرا ہو کر خالص ہو سکیں، اور جس طرح ہمارے جسمانی اعضاء گناہوں سے پاک ہوں، ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہو، اور اس کے احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر دل سے ایسا یقین ہو کہ ہمارے ناپاک جذبات، ہمارے غلط استدلال، ہماری گمراہ خواہشیں بھی اس یقین میں شک اور تذبذب پیدا نہ کر سکیں۔

خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اس کی مرضی کا علم ان ہی کے واسطے سے انسانوں کو پہنچا ہے، اگر اس کی صداقت سچائی اور راستبازی کو کوئی تسلیم نہ کرے تو پیغام ربانی اور احکام الہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک و مشتبہ ہو جائے اور انسانوں کے سامنے نیکی، نزاہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے، جو انسانوں کے قوائے عملی کی تحریک کا باعث بن سکے پھر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کاموں کے درمیان ہماری عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی محکوم ہے، کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کے لئے نہیں ہوگی۔

خدا کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں

کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں، مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، مخلوقات کو قانون الہی کے مطابق چلاتے ہیں اور ہمارے اعمال و افعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لحظہ ”ریکارڈ“ کرتے جاتے ہیں، تاکہ ہم کو ان کا اچھا یا برا معاوضہ مل سکے۔

خدا کے احکام و ہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے ہیں ان کو دور دراز ملکوں اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لئے ضروری ہوا کہ وہ تحریری شکلوں میں یعنی کتابوں اور صحیفوں میں یا لفظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں۔ اس لئے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے اس کی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے جانے کا ذریعہ مسدود ہو جائے اور ہمارے لئے نیکی اور بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے جس پر تمام ادنیٰ و اعلیٰ، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں۔

اعمال کی باز پرس اور جواب دہی کا یقین اور اسکے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیائے انسانیت سرپا درندگی اور بھیڑیت من جائے یہی وہ عقیدہ ہے جو انسانوں کو جلوت و خلوت میں ان کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے، اس لئے روز جزا اور یوم آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اور اسی لئے محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے بلکہ مکی وحی کا بیشتر حصہ اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے۔

یہی پانچ باتیں اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر اس کے تمام رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے فرشتوں پر، اور روز جزاء پر ایمان لانا، یہی عقائد خمسہ یکجا طور پر سورۃ بقرہ میں متعدد دفعہ کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان ہوئے ہیں۔

جو لوگ غیب (خدا کی صفات اور ملائکہ) پر ایمان رکھتے ہیں۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ  
(ہرہ-۱)

اور جو کچھ تم پر (اے محمد ﷺ) اتر اور تم سے پہلے (پیغمبروں پر) اتر اس پر یقین رکھتے ہیں (یعنی انبیاء اور ان کی کتابوں پر) اور آخرت (زیر جزا) پر یقین رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ  
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (ہرہ-۱)  
وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ  
(ہرہ-۱)

یہ تو سورۃ کے آغاز کی آیتیں ہیں، سورۃ کے پچ میں پھر ارشاد ہوا۔

اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر آخری دن پر فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لائے۔

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ  
وَالنَّبِيِّينَ (ہرہ-۲۲)

سورۃ کے آخر میں ہے۔

پیغمبر پر جو کچھ اتارا گیا اس پر وہ خود اور تمام مومن ایمان لائے یہ سب لوگ خدا پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے

أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَ  
الْمُؤْمِنُونَ كُلُّ آمَنَ بِاللَّهِ وَ  
مَلَائِكَةِ وَكِتَابِهِ وَرُسُلِهِ  
(ہرہ-۳۰)

سورۃ نساء میں ان ہی عقائد کی تعلیم ہے۔

”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ  
وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ

رَسُولُهُ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ  
 قَبْلُ طَوْعًا مِّنْ بَّكَفَرُ بِاللَّهِ وَ مَلِكُكُمْ  
 وَ كُتُبِهِ وَ رَسُولُهُ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ  
 ضَلَّ ضَلَالًا لَا بُعِيدًا ط

اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس  
 سے پہلے اتاری، اور جو شخص خدا کا اس کے  
 فرشتوں کا اس کی کتابوں کا اس کے  
 پیغمبروں کا اور روز آخرت کا انکار کریگا وہ  
 سخت گمراہ ہوا

## ایمان و عمل کا تلازم

سچے ایمان اور حسن عمل در حقیقت لازم و ملزوم ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک  
 مومن بدکار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو یہ سوال حقیقت میں خود تضاد کو مستلزم ہے اس  
 لئے احادیث میں آتا ہے کہ کوئی مومن ہو کر بدکاری اور چوری نہیں کر سکتا، اگر  
 کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان مسلوب ہو جاتا ہے، اور یہ بالکل واضح ہے کہ جب کوئی  
 مومن برائی کرنا چاہتا ہے تو اس کے ایمان یعنی اصول اور جذبات فاسدہ کے درمیان  
 کشمکش ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر یہ لڑائی قائم رہتی ہے، اگر ایمان اور اصول نے فتح پائی تو وہ  
 اپنے کو بچا لیتا ہے، اور اگر جذبات غالب آتے ہیں، تو ایمان اور اصول کا تخیل اس وقت  
 دب کر اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر سچا مومن، اور بد کردار ہو، یہ  
 ممکن ہی نہیں، اگر ہے تو حقیقت میں ایمان ہی کامل نہیں۔ یہاں بحث رسمی ایمان  
 و مومن سے نہیں بلکہ اس ایمان سے ہے۔ جسکے معنی غیر مترزل یقین، اور ناقابل  
 شک اعتقاد کے ہیں، جہاں کہیں رسمی و ظاہری ایمان کے ساتھ برائی اور بد کرداری کا  
 وجود ہے، وہ در حقیقت ایمان کا نقص اور یقین کی کمی کے باعث ہے، عمل صالح کی کمی  
 بھی ایمان ہی کی کمی کا نتیجہ ہے۔

## ایمان کے بغیر کوئی عمل درست نہیں

لیکن بہر حال عقلی فرض اور رسمی ایمان کے لحاظ سے یہ سوال ہو سکتا ہے 'اور یہ مانا جاسکتا ہے کہ ایک بدکردار مومن اور نیک اخلاق کافر و مشرک میں اگر پہلا نجات کا مستحق ہے اور دوسرا نہیں ہے تو ایسا کیوں؟ اس کا جواب شرعی اور عقلی دونوں حیثیتوں سے بالکل ظاہر ہے 'اسلام نے نجات کا مدار ایمان اور عمل دونوں پر رکھا ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَقَفِيْ نُحْسُرٍ إِلَّا الَّذِينَ  
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (عمر)

بے شک کل انسان گھٹائے میں ہیں مگر وہ جو ایمان رکھتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔

اس لئے کامل نجات کا مستحق وہی ہے جو مومن بھی ہے اور نیک کردار بھی ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو خدا کافر و مشرک کے گناہ کے سوا اپنے بندہ کو ہر گناہ چاہے تو معاف کر سکتا ہے 'البتہ شرک و کفر کو معاف نہ فرمائے گا اور اس کی سزا ضروری وہ دے گا چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ  
وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ  
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا  
عَظِيمًا ط

بے شک خدا اس کو معاف نہ کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا دوسرے گناہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔ (نساء ۷)

ایک اور آیت میں مشرکوں کے متعلق یہ قطعی طور پر فرمایا۔

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ  
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وَاهُ النَّارُ

بیشک یہ بات ہے کہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ نے اس پر اپنی جنت حرام کی ہے۔

(نساء ۱۰)

قرآن پاک نے ان لوگوں کے کاموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں اس راہ سے دی ہے جس کو ہوا کے جھوٹے اڑاڑا کر فنا کر دیتے ہیں اور ان کا کوئی وجود پھر باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح وہ شخص جو ایمان سے محروم ہیں ان کے کام بھی بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ  
أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ  
الرَّيْحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ط لَا  
يَقْلِيلُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ  
ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ط

(مہم ۱۸)

سورہ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب سے دی گئی ہے کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ  
بِفَيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ  
إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا ط  
آء

(نور ۵)

ان کی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی سے دی گئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا اور جس میں ہوش و حواس اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود ان سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے۔

أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَحْرٍ لُّجِيٍّ يَغْشَاهُ  
مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ  
سَحَابٌ ط ظَلُمْتُ بَعْضُهَا فَوْقَ  
بَعْضٍ ط إِذْ أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْدُ  
يَرَاهَا ط وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ  
نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ (نور ۱)

یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں سخت اندھیرا ہو اس کے اوپر موج اور موج پر پھر موج اور اس کے اوپر بادل گہرا ہو یہ اندھیرا ہے کہ اس میں ہاتھ نکالے تو وہ بھی سوجھائی نہ دے جس کو خدا نے نور نہ دیا اس کیلئے کوئی نور نہیں۔



الغرض ایمان کے بغیر عمل کی پیدا کسی بلند اور صحیح منزل پر قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے دینا، نمائش اور خود غرضی کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دینی جاتی، وہ کام جو گو بظاہر نیک ہوں، لیکن کرنے والے کا ان سے اصلی مقصد نام و نحو پیدا کرنا ہوتا ہے، اخلاقی نقطہ نظر سے تمام دنیا ان کو بے وقعت اور بیچ سمجھتی ہے اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا اور فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا  
صَدَقَتَكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى  
كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ  
وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ  
عَلَيْهِ تَرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ  
صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ  
مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي  
الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ط (بقرہ ۲۶۳)

اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان اللہ  
اللاہی دے کر اس طرح مباد نہ کرو جس  
طرح وہ مباد کرتا ہے جو لوگوں کے دکھانے  
کیلئے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور خدا پر (جو  
نیکیوں کی جزا دیتا ہے) اور قیامت پر (جس  
میں نیکیوں کی جزا ملے گی) یقین نہیں کرتا،  
اس کی خیرات کی مثال اس چٹان جیسی ہے  
جس پر کچھ مٹی پڑی ہو۔ ذرا اس پر پانی نہ ساقو  
مٹی دھل گئی اور پھر رہ گیا، جس پر جو کچھ دیا  
جائے گا وہ اگے کا نہیں۔

## مومن و کافر کا فرق

اس تفصیل سے معلوم ہو گا کہ ایک بد کردار رسی مومن کے لئے نجات کی  
امید ممکن ہے، لیکن ایک حقیقی کافر و مشرک کیلئے نہیں۔ اور اس کی عقلی وجہ ظاہر ہے  
ایک بد کردار رسی مومن اور حقیقی کافر و مشرک کے درمیان وہی فرق ہے جو ایک چور  
اور ڈاکو کے درمیان ہے، ہر قانون داں جانتا ہے کہ ان دونوں میں قانون کی نظر میں  
کون مجرم زیادہ ہے، چور کو برائی کرتا ہے تاہم حکومت کا خوف اسکے دل میں ہے، مگر  
ڈاکو حکومت سے برسرِ پیکار ہو کر قتل و غارت کا مرتکب ہوتا ہے، اس لئے ڈاکو چور  
سے زیادہ سزا کا مستحق ہے، بد کردار رسی مومن ہو گئے گا ہے، مگر کبھی کبھی خوف الہی  
سے تھرا جاتا ہے، کبھی کبھی خدا کی بارگاہ میں گڑ گڑاتا ہے، اور کبھی اپنے گناہوں پر خدا

کے حضور میں شرمندہ اور نادم بھی ہوتا ہے، مگر کافر و مشرک، اگر کچھ اچھے کام بھی کریں، تاہم اپنی دوسری برائیوں کے استغفار کیلئے خدا کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتے، وہ خدا نام کسی ہستی کے قائل ہی نہیں، جس کے خوف سے وہ تھرائیں، جس کی بارگاہ میں وہ گڑگڑائیں، اور جس کی محبت میں سرشار ہو کر وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، اس لئے اس مجرم کیلئے جس نے کسی مجبوری سے معذور ہو کر چھپ کر کسی قانون سلطنت کی نافرمانی کی رحم و بخشش کا موقع ہے، لیکن اس باغی کیلئے جو سرے سے سلطان وقت کو اور اسکے قانون کو تسلیم نہیں کرتا رحم و بخشش کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

لیکن یہ محض ایک تمثیل تھی، ورنہ ظاہر ہے کہ خدا کو اس کی حاجت نہیں کہ اس کے بندے اس کی حکومت کو تسلیم کریں ان الله غنى عن العالمين (پیشک خدا دنیا سے بے نیاز ہے)

بلکہ اصل یہ ہے کہ ایک کافر و مشرک اس اصول کار کو تسلیم نہیں کرتا، جس پر مذہبی نیکیوں کی بنیاد ہے، اور ایک رسمی مومن اس اصول کو تسلیم کرتا ہے اس کی نسبت توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ آج نہیں تو کل عمل بھی کریگا، لیکن جو ہنوز اصول کا مخالف ہے اس کے لوٹنے کے لئے ابھی بڑی دشوار منزل باقی ہے۔

## ایمان یعنی اساس ملت اور بنیاد عمل کی اہمیت

اس خالص مذہبی نقطہ نظر سے ہٹ کر بھی اگر مومن و کافر کے باہمی فرق و امتیاز پر غور کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ بہت سے بظاہر نیک لوگوں کو جو کافر ہیں اپنے سے الگ کرنا پڑتا ہے اور بہت سے بظاہر برے لوگوں کو جو مومن ہیں اپنے اندر داخل کرنا پڑتا ہے، تاہم اس موقع پر اس نکتہ کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ اس ”اپنے“ اور ”غیر“ کی وجہ تقسیم کیا ہے؟ جب اس وجہ تقسیم کو ہم سامنے رکھیں گے تو ہم کو ناگزیر طور پر ایسا کرنا ہی پڑیگا۔ وجہ تقسیم خیرات کرنا والا اور نہ خیرات کرنے والا، یا جھوٹ بولنے والا، اور نہ جھوٹ بولنے والا نہیں ہے بلکہ ایک خدا پر ایمان رکھنے والا اور ایک دستور العمل (قرآن) کو صحیح ماننے والا ہے، اس بناء پر اس وجہ تقسیم کی رد سے ایسا ہونا لازم ہے۔

یہ طریقہ امتیاز کچھ اسلام یا مذہب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر تحریک ہر جماعت اور ہر اصول سیاست بلکہ تمام انسانی تحریکات اور جماعتوں کا اصول تقسیم یہی ہے ہر تحریک کا ایک نصب العین اور ہر جماعت کا ایک عقیدہ (کریڈ) ہوتا ہے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس کریڈ کے مطابق پورے جوش و خروش کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ یہ اس مذہب کے مومنین اور صالحین ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو اس کریڈ کو جو صحیح تسلیم کرتے ہیں، مگر تقاضا ہستی یا کسی اور عارضی سبب سے اس کریڈ کے مطابق عمل نہیں رکھتے یہ اس مذہب کے غیر صالح مومنین ہیں، لیکن ایک تیسری جماعت ہے جو سرے سے اس کریڈ ہی کو تسلیم نہیں کرتی اور نہ اسکو بنیاد عمل قرار دیتی ہے۔ گو اس تیسری جماعت کے بعض افراد بڑے فیاض و بخیر ہوئے ہوں یا بڑے عالم و فاضل ہوں، تاہم اس جماعت کے دائرہ کے اندر جس کا وہ کریڈ ہے ان کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے کیا یہی وجہ نہیں کہ ایک سیاسی جماعت کے کریڈ پر یقین رکھنے والا اور اس کے مطابق کرنے والا اور وہ بھی جو نفس کریڈ کو تسلیم کرتا ہے مگر اس کے مطابق عمل پیرا نہیں اس جماعت کے پنڈال میں جگہ پاسکتا ہے؟ مگر وہ جو اس کریڈ ہی کو صحیح باور نہیں کرتا اس کے احاطہ میں کوئی جگہ پانے کا مستحق نہیں ہے اسی پر ہر جماعت کے اصول کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب تک کوئی جماعت اپنے اصول کار اساس جماعت اور عقیدہ کو اتنی اہمیت نہ دے گی اس کی اہمیت جو سب اہمیتوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ملت کی وہ دیوار جس کو اس قدر سخت اور مستحکم ہونا چاہیے کہ باہر کے سیلاب کا ایک قطرہ بھی اس کے اندر نہ جاسکے اگر اس میں اصول و عقیدہ پر ایمان کا مطالبہ کے بغیر ہر کس و نا کس کو داخلہ کی اجازت دے دی جائے تو اس مستحکم دیوار میں یقیناً رخنے پڑ جائیں گے اور وہ ایک لمحہ کیلئے بھی کسی سیلاب کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور وہ

جماعت ایسے پر آئندہ اصول و افراد کا مجموعہ ہوگی، جس کو کسی اتحاد و اشتراک و جامعیت کا رشتہ باہم متحد و مشترک و مجموعہ نہیں کرتا۔

مستحکم جماعتیں وہ ہیں جو اپنے کریڈٹ پر شدت کے ساتھ جمی رہتی ہیں۔ اور جو اس کریڈٹ کو تسلیم نہیں کرتا، رکن جماعت نہ ہونے کی حیثیت سے وہ ان کی جماعتی برادری میں کوئی اعزاز نہیں رکھتا، کیا ایک مسلمان جب کہ کسی سیاسی جماعت کا رکن ہو تو اس کیلئے تو اصول کار کی یہ سختی جائز بلکہ مستحسن ہو، مگر وہی اسلامی جماعت کے ممبر کی حیثیت سے اپنے اخلاقی اصول کار، اساس ملت اور مذہبی بنائے وحدت میں یہ شدت روا رکھے تو کس عقل سے وہ ملامت کے قابل ٹھہرایا جائے، حالانکہ ہر دلی عقیدہ کا لازمی نتیجہ اسی قسم کی شدت اور استحکام ہونا چاہیے، پھر اگر ایک جگہ وہ ہو اور دوسری جگہ نہ ہو تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ایک کو دل کیساتھ جو تعلق ہے، وہ دوسرے کو نہیں۔

## نظام اسلام

اب اگر اسلام اور اسلام کے قانون اور مذہب کو سمجھنا ہے تو اس کی اصل بنیاد پر نظر رکھنا چاہیے، جس پر اس کی پوری عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ وہ بنیاد اقتصادیات کا کوئی نکتہ، دولت کا کوئی خزانہ، نسل و رنگ کا کوئی امتیاز اور ملک و وطن کی کوئی تجدید نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک ہے، اور وہ دنیا کی سب سے بڑی، لازوال اور وسیع و عالمگیر صداقت، یعنی خدائے واحد پر ایمان ہے، یہ ہے اسلام کی ملت اور برادری کا اصل رشتہ، اسی سے اس کے مذہب اور اس کے قانون کی تمام تفہیمیں اور امتیازات کی حدیں قائم ہوئی ہیں، اس کی حیثیت اسلام کی مملکت میں وہ ہے جو کل روم میں رومیت کی، اور آج روس میں اصول بالشویت کی ہے۔

اس برادری کے دینی اور دنیاوی حقوق کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جماعت کے فارمولے پر دستخط کرے، اور اس کے کریڈ کو دل و جان سے قبول کرے، آج تمام مذہب دنیا کی عالمگیر برادری کی بنیاد کو تلاش کرنے میں حیران و سرگرداں ہیں، مگر نہیں ملتی، حالانکہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی طرح آج بھی اسلام یہ آواز بلند کر رہا ہے۔

”اے لال کتب آؤ! ہم اس ایک بات پر متفق ہو جائیں، جو ہمارے اور تمہارے نزدیک یکساں ہے، کہ خدائے واحد کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کریں، اور خدا کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں“

یہی توحید اسلام کا وہ نظام نامہ ہے جس پر اس کے دین اور اس کی دنیا دونوں کی بنیاد ہے۔

## توحید، دنیا کی غیر متبدل حقیقت

یہ توحید یعنی عرصہ ہستی کا صرف ایک فرماں روئے مطلق ماننا جس کے سامنے ہر جسمانی اور روحانی طاقت ادب سے جھکی ہوئی ہے، اور اس کی ہمدہ فرمان ہے، اور ساری دنیا اسی ایک کی مخلوق و محکوم ہے، اور دنیا کی ساری قومیں اس کے آگے بحیثیت مخلوق کے برابر حیثیت رکھتی ہیں، دنیا کی وہ عظیم الشان حقیقت ہے جو سر تاپا صداقت اور حق ہے اور ایسی عالمگیر ہے جو عرصہ وجود کے ایک ایک ذرہ کو محیط ہے، اور ایسی لازوال جس کو کبھی فنا نہیں اور ایسی کھلی اور واضح کہ جس کے تسلیم کرنے میں کسی کو عذر نہیں، اور ایسی خیر مجسم جو ہمارے اندر ہر قسم کی نیکیوں کی تحریک کرتی ہے۔ اور جو ایسی تسکین اور تسلی ہو جو ہر مصیبت اور مشکل کے وقت ہمارے لئے صبر و استقلال کی چٹان بن جاتی ہے، اور ایسا مضبوط اور مستحکم سررشتہ جو کسی وقت ٹوٹ نہیں سکتا، اور اس قدر وسیع کہ جس کے احاطہ عام کے اندر مخلوقات کی ایک ایک فرد داخل ہو کر اخلاقی حقوق و واجبات کی برادری قائم کر سکتی ہے۔ اور خالق و مخلوق دونوں کی وابستگی

اور محبت کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔

غرض یہ ایسی عالمگیر حقیقت ہے جو سر تاپا صداقت اور حق ہے جو کبھی نہ بدل سکتی نہ بدلے گی 'زبانوں میں جو انقلاب ہو' خیالات میں جو تغیر ہو' تمدنوں میں جو اتار چڑھاؤ ہو' قوموں میں جو تفرقے پیدا ہوں' مجازی حقیقتوں 'مادی فائدوں اور سیاسی غایتوں میں جو اختلاف بھی پیدا ہو' مگر وہ ایک حقیقت ہے جو اپنی جگہ پر مسلم رہے گی 'اور جس میں کوئی تغیر اور انقلاب پیدا نہ ہو گا' کیونکہ اس کی بنیاد ایک ایسی لازوال ہستی کے یقین پر ہے 'جو مادیات کی دنیا کی طرح دم بدم مٹی اور بنتی 'اور لحظہ بہ لحظہ متغیر اور منقلب نہیں۔

وہ ایک ایسی عالمگیر اور محیط ہستی کا تخیل ہے 'جس کے احاطہ عام کے اندر تمام قومیں 'تمام مملکتیں بلکہ تمام مخلوقات یکساں استحقاق کے ساتھ داخل ہیں اس کی ملکیت میں سیاہ و سپید 'زنگی و رومی 'ہندی و فرنگی 'عربی و عجمی 'امیر و غریب 'عورت و مرد 'شاہ پسند و جمہوریت پسند 'حاکم و محکوم 'آقا اور غلام 'عالم اور جاہل 'سب برابری کے ساتھ یکساں شامل ہیں 'اور اس سے ایسی برادری کا رشتہ قائم ہوتا ہے 'جو قوموں میں میل 'مملکتوں میں اتحاد اور مخلوقات میں فرائض و واجبات کا احساس پیدا کرتا ہے۔

وہ خود مجسم خیر 'اور سر تاپائی ہے 'اس کی عقیدت اور محبت ہمارے اندر نیکیوں کی تحریک اور برائیوں کی نفرت پیدا کرتی ہے 'تاریکی میں بھی اس کی دیکھنے والی آنکھوں اور خلوتوں میں بھی اس کی جھانکنے والی نگاہوں کا سچا عقیدہ 'نازک سے نازک موقع پر بھی ہم کو برائیوں سے بچاتا اور نیکیوں کے لئے ابھارتا ہے۔

جب ہمارا سہارا ٹوٹ جاتا ہے 'ہر اعتماد شکست ہو جاتا ہے اور ہر امید منقطع ہو جاتی ہے اور جب افراد و قوم کے صبر و استقلال کے پاؤں ڈگمگاتے ہیں 'اور ان کے وجود کی کشتی منجھار میں پھنس جاتی ہے 'اس وقت اسی ایک کی مدد کا سہارا کام آتا ہے۔

اور اسی ایک کی نصرت کا وثوق فتح و ظفر سے ہم کنار کرتا ہے۔ اور مایوسیوں اور نا امیدیوں کے ہر بادل کو چھانٹ کر رحمت الہی کے نور سے آنکھوں کو پُر نور اور دلوں کو سرور کر دیتا ہے۔

اب کوئی بتائے کہ کسی ایسی قوم کے لئے جو اپنے کو دائمی اور ہمیشہ کے لئے روئے زمین پر آئی ہو اور آخر الامم اور غیر منسوخ ملت ہونے کی مدعی ہو، اس کے اساس ملت بننے کے لئے ہر روز بدل جانے والے اور ہر صدی میں منقلب ہو جانے والے تخیلات اور نظریے کبھی اساس ملت قرار پا سکتے ہیں اور ایسی قوم کے لئے جو کسی نسل، کسی رنگت اور کسی قطعہ زمین میں اپنے کو محدود نہ کرے، اس عالمگیر خدائی برادری سے بڑھ کر کوئی برادری مناسب ہو سکتی ہے۔

## عقیدہ توحید کی اخلاقی حیثیت

پھر ایسا عقیدہ جو تمنا ہماری ملت کا اساس ہی نہ ہو بلکہ ہمارے عمل کی بھی بنیاد ہو، اس خلاق عالم اور علام الغیوب کے ایمان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا ہے، یہ لازوال اور زندہ جاوید ہستی ہماری ملت کو لازوال اور زندہ جاوید بناتی ہے، یہ عالمگیر اور محیط ہستی ہمارے اندر عالمگیر اخوت اور عمومی برادری کا رشتہ قائم کرتی ہے وہ خیر مجسم اور سرپائیک ہستی ہم کو خیر کی دعوت اور نیکی کی صدا دیتی ہے۔ اس کے کمالی اوصاف ہم کو اپنے اخلاقی کمال کا نصب العین عطا کرتے ہیں، اس کے اسماء حسنی اور صفات کاملہ کا عقیدہ ہم کو ہر حیثیت سے حسین اور کامل بننے کا درس دیتا ہے۔

اس سے ظاہر ہو گا کہ خدا اور اس کی ذات و صفات پر اعتقاد محض نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اس کی حیثیت تمام تر عملی ہے۔ اس کی صفات عالیہ ہمارے اوصاف حسنہ کے لئے نمونہ ہیں، اور اس کی محامد کریمہ ہمارے اعمال و اخلاق کی تصحیح

کے لئے تحریر اور اقی کا مسطر ہیں۔

## خیر و شر کی تمیز

جس طرح دنیا کی دوسری چیزیں فی فہم نہ خیر ہیں نہ شر، ہم ان کی خیر یا شر صرف ان کے موقع استعمال کے لحاظ سے کہتے ہیں۔ آگ فی فہم نہ خیر ہے نہ شر، لیکن جب کوئی عالم اس آگ سے کسی غریب کا جھونپڑا جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے تو وہ شر ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اسی آگ سے کوئی رحم دل انسان چولہا گرم کر کے کسی بھوکے کے لئے کھانا پکاتا ہے تو وہ خیر ہو جاتی ہے، اسی طرح نیک و بد اعمال بظاہر یکساں ہیں، اور ان میں نیک و بد کی تمیز ہمیں کی جاسکتی، جب تک کہ اس غرض و غایت کا لحاظ نہ کیا جائے جس کے لئے وہ کام کیا جاتا ہے۔ ایک ڈاکو کا ایک مسافر کو قتل کر دینا اور ایک حکومت کا کسی ڈاکو کو پھانسی دینا، یکساں اسلاف جان کا فعل ہے، لیکن پھر دنیا اگر ایک کو خیر اور ایک کو شر کہتی ہے تو وہ اس غرض و غایت کی بنا پر ہے جس کے لئے یہ دونوں قتل کئے گئے ہیں ڈاکو جب قتل کا مرتکب ہوا ہے اس سے اس کا مقصود مسافر کے مال پر ظالمانہ قبضہ تھا اور اس راہ میں اس کے مالک کے ناحق قتل کا آخری نتیجہ راستہ کی بد امنی اور ملک کی ویرانی ہے۔ اور سزا دینے والی حکومت کی غرض لوگوں کی جان و مال کی حفاظت، راستہ کا امن، اور ملک کو آباد کرنا ہے، اس لئے پہلا فعل شر اور دوسرا خیر ہے۔

خیر و شر کی فلسفیانہ تحقیق ان کی باہمی تمیز نہایت مشکل ہے، جس کو نہ ہر عامی و جاہل سمجھ سکتا ہے اور نہ اس سے متاثر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خیر و شر کے اکثر امور پر تمام دنیا متفق ہے۔ اس لئے مذہب نے ان کوئی سے لیکر اعلیٰ تک کے لئے ایک آسان



اصول یہ وضع کر دیا کہ وہ تمام باتیں جن کو خدائے تعالیٰ پسند کرتا ہے، خیر ہے اور جن کو ناپسند فرماتا ہے وہ شر ہے، اس کے اس اصول سے نہ خیر و شر کی حقیقت بدلتی ہے نہ ان کے نفع و ضرر کا پہلو بدلتا ہے نہ دنیا کے فائدے اور نقصان میں کمی بیشی ہوتی ہے، ہاں یہ ہوتا ہے کہ اس اصول کی تاثیر دلوں میں ایسی راسخ ہو جاتی ہے کہ جنگلی و صحرائی سے لیکر مہذب و تعلیم یافتہ تک اس اصول کے ماتحت خیر پر عمل کرنے اور شر سے بچنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آج دنیا میں جس قدر بھی خیر کا وجود ہے، اور شر سے احتراز ہے وہ اسی پیغمبرانہ تعلیم کا نتیجہ ہے، فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں کا نہیں، ارسطو اور اپنیسٹر کے اصول اخلاق کو پڑھ کر اور سمجھ کر کتنے نیک اور خوش اخلاق پیدا ہوئے، اور مسیح و محمد علیہما السلام کی تعلیم و تاثیر نے کتنوں کو خوش اخلاق اور نیک کر دیا، آج دنیا میں لندن و نیویارک کے بازاروں سے لے کر افریقہ کے صحراؤں اور جنگلوں اور ہندوستان کے دیہاتوں تک میں نیکی کی اشاعت اور برائی سے پرہیز کی تعلیم انبیاء کے پیروؤں کے ذریعہ ہو رہی ہے یا فلسفیوں کے؟ بالٹھویکوں کے ذریعہ انجام پارہی ہے یا نازیوں کے؟ سوشلسٹوں کے ذریعہ یا فسیسٹوں کے؟ دل کا چین اخلاق کی طاقت اور عالمگیر انسانی برادری کی دولت اگر ممکن ہے تو وہ صرف اس توحید کے ذریعہ جس کی دعوت اسلام دیتا ہے۔ اور اس ایمان کی بدولت جس کو اسلام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جس کی وسعت میں ساری دنیا آرام کر سکتی ہے، اور جس کے سایہ میں انسانوں کے بنائے ہوئے سارے امتیازات مٹ جاتے ہیں، اور جس کی بنیاد اتنی مضبوط ہے کہ آسمان وزمین کی بنیادیں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو ہٹ جائیں مگر وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتی۔

# خُدا کا آخری پیغام

## خدا کا آخری پیغام

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

## اسلام

اسلام دنیا میں خدا کا آخری پیغام ہے، وہ دنیا میں نہ نبی کی تکمیل ہے، وہ اپنے پیغمبر کے الفاظ میں دین الہی کی عمارت کا آخری پتھر ہے، وہ فطرت ہے، اور فطرت کے مطابق ہے، وہ دنیا میں اس وقت صلح و امن کا جھنڈا اڑاتا آیا، جب دنیا خاک و خون میں لتھڑی ہوئی تھی، وہ اس خدا کا منادی ہے، جو رحم مجسم، عدل مجسم، نیکی محض، خیر کل اور امن و امان ہے، وہ ظلم و ستم، بے اطمینانی و اضطراب، شک و شبہ کے طوفانوں سے بھاگ کر مامن و مادی کے طلب گاروں کو ایک ہی پناہ کی جگہ بتاتا ہے۔

فَقِفُوا إِلَى اللَّهِ (الذاریت) ہر طرف سے بھاگ کر اللہ کی طرف جاؤ۔

## مخالفین کی نکتہ چینی

اس حقیقت کے باوجود یہ کس قدر افسوسناک ہے کہ مسیحی مبلغین اور یورپین مستشرقین نہایت فخر و غرور اور طعن و طنز کے ساتھ اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے خدا کا جو تحفہ اپنے پیروؤں کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک جبار، قہار، پر غضب، صاحب جلال و جبروت شہنشاہ ہے جس سے ہمیشہ ہمدوں کو ڈرتے

اور کانپتے رہنا چاہیے اور اس تخیل کا اثر اسلام کے تمام احکام میں نمایاں ہے، بر خلاف اس کے عیسائی مذہب اس کو محبت، 'پیار' رحمت اور شفقت کے پیکر میں جلوہ گر کرتا ہے، اور اسی لئے اس کو "باب" کے نام سے پکارتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کی نصیحتوں میں نرمی، اور رحم و کرم کا جذبہ غالب ہے۔

مستشرقین اسی اعتراض کو اس صورت میں پیش کرتے ہیں کہ چونکہ اسلام ایک جنگجو مذہب ہے اس لئے اس کے تخیل میں خدا کی جباری و قہاری اور غیظ و غضب کا تصور سب سے زیادہ ہے، اور اسلام کی یہی کمی تھی جس کو تصوف نے آکر پورا کیا، اور جائے اس کے کہ فقہاء کی طرح خدا کی اطاعت کا مبنی خشیت اور خوف الہی کو قرار دیا جائے، انہوں نے خدا کے عشق و محبت کو قرار دیا۔

## دعوت عمل

ناآشنا یا اسلام کو، اسلام کے متعلق بحث و کاوش کرتے ہوئے یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ وہ محض عملی اور خیالی آراء مذہب نہیں ہے بلکہ وہ اس عملی دنیا کا عملی مذہب ہے، دنیا میں کروڑوں انسان ہیں، ہر انسان کے پیچھے ہزاروں کام ہیں، اور انسان کے ہر کام کا تعلق دوسرے انسان سے ہے، ان دونوں انسانوں میں کوئی باہمی تعلق ایسا ہونا چاہیے جو ایک کو دوسرے سے پیوستہ کر دے۔ ایک کو دوسرے کی طرف جھکا دے، اور ایک کا رشتہ دوسرے کے ساتھ جوڑ دے، اس تعلق، اس پیوستگی اور اس رشتہ کو جو چیز پیدا کرتی اور قائم رکھتی ہے، وہ محبت اور خوف کا جذبہ ہے، اسی کی تعبیر دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ وہ نفع کی طرف رغبت اور ضرر سے نفرت کا جذبہ ہے۔

## امید و بیم

غرض انسان کی تمام تحریکات کا سرچیا، محبت و خوف، رغبت و نفرت ضرر ہے، خدا اور اس کے صفات کے متعلق انسان کے جو خیالات اور تصورات ہیں وہ بھی اسی اصول کے ماتحت ہیں، وحشی اقوام کے مذہبی خیالات پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ وہ فطرت کے مناظر اور موجودات کی پرستش اسی اصول کے مطابق کرتے ہیں، بعض چیزوں سے وہ ڈرتے ہیں، تو وہ ان کی پوجا کرتے ہیں کہ ان کے ضرر سے محفوظ رہیں، بعض دوسری اشیاء کے لطف و کرم کے متوقع ہوتے ہیں کہ وہ ان کے منافع سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔

لب عام انسانی معاملات، اور کاروبار پر غور کرو کہ انسان کی موجودہ فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ممکن ہے کہ دنیا کا یہ نظام، صرف محبت اور رغبت کے جذبات سے چل سکے؟ اگر ایک دن بھی دنیا کے بازاروں، سلطنتوں کے دفاتر، اور قوموں اور جماعتوں کی مجلسوں اور سوسائٹیوں میں تنہا اس پر عمل ہو، تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے، اور اطاعت و فرمانبرداری کا جس پر تنظیم اور ضابطہ داری (ڈسپلن) کا دار و مدار ہے، خاتمہ ہو جائے، اسی طرح اگر صرف نفرت و عدالت اور خوف و خشیت تمام تر عالم کے کاروبار میں دخل ہو جائے تو یہ دنیا جہنم کا طبقہ بن جائے، اور دلوں کی شکستگی اور انبساط جو ہماری سرگرمیوں اور ولولوں کا مایہ حیات ہے، دفعۃً فنا ہو جائے، اس لئے دنیا کے نظام ان دو گونہ جذبات کے بغیر کبھی قائم نہیں رہ سکتے، انسان اپنے ہر عمل میں ان دونوں کے سہارے کا محتاج ہے۔

## ملل قدیمہ

اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب قائم تھے ان میں افراط و تفریط پیدا ہو گئی

تھی، اور صراطِ مستقیم سے وہ تمام تر ہٹ گئے تھے، یہودی مذہب کی بنا سر تپا خوف، خشیت اور سخت گیری پر تھی، اس کا خدا ”فوجوں کا سپہ سالار“ اور باپ کا بدلہ پھینکا پشت تک بیٹھوں سے لینے والا تھا، یہودیت کے صحیفوں میں خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کا ذکر شاذ و نادر کہیں نظر آئے گا، اس کے برعکس عیسائیت تمام تر خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کے تذکروں سے معمور ہے اس کے ”اکھوتے بیٹے کا باپ“ تمام انسانوں کا باپ ہے، وہ اپنے ”فرزندوں“ کے جرم و خطا سے غضب ناک نہیں بلکہ پشیمان اور متاسف ہوتا ہے۔

## حقیقت اسلام

اس افراط اور تفریط کا نتیجہ یہ ہے کہ یہودیت ایک خشک اور بے لذت مذہب بن گیا، اور عیسائیت اس قدر تر ہے کہ تردا منی اس کے نزدیک عیب نہیں، ایک گنہگار عورت کو یہودیت سنگسار کرنے کا حکم دیتی ہے، لیکن عیسائیت صرف اسی قدر کھتی ہے کہ ”جو گنہگار نہ ہو وہ اس عورت کو پتھر مارے“ اور اے عورت! جا، پھر ایسا نہ کرنا ”اسلام تفصیل کرتا ہے، ”مجبور و مجنون و مدہوش و غیرہ مستثنیٰ ہیں“ بے شوہر عورت اور بن بیوی کے مرد کو کوڑے مارے جائیں، شوہر والی عورت اور بیوی والا مرد سنگسار ہوگا، یہودی مذہب کسی باز پرس کے بغیر ہر حال میں مرد کو طلاق کی اجازت دیتا ہے، ملت عیسوی، کسی حال میں طلاق کا فتویٰ جاری نہیں کرتی، اسلام اس کے متعلق تفصیلی احکام رکھتا ہے، غرض یہی حال اسلام کا تمام دیگر مسائل میں ہے کہ وہ عیسائیت اور یہودیت کے درمیان ہمیشہ سچ کی راہ اختیار کرتا ہے، اور یہی اسلام کی سب سے بڑی فضیلت ہے، قرآن کہتا ہے۔

اس طرح اے مسلمانو! ہم نے تم کو چکی  
امت بنایا کہ لوگوں پر گواہ ہو۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا  
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ  
(البقرة)

میں حال، اعتقادات کا ہے، وہ نہ تو خدا کو محض جبار، قہار، رب الافواج اور  
صرف بنی اسرائیل یا بنی اسمعیل کا خدا مانتا ہے، اور نہ اس کو مجسم انسان، انسانوں کا  
باپ، یا محمد صلعم کا باپ سمجھتا ہے، اور تہارحم و کرم اور محبت و شفقت کے صفات سے  
متصف کرتا ہے، وہ خدا کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قاہر بھی ہے، اور  
رحمن و کریم بھی ہے، وہ منتقم اور شدید العقاب بھی ہے، اور غفور و رحیم بھی ہے، وہ اپنے بندوں  
کو سزا بھی دیتا ہے، اور پیر بھی کرتا ہے، بکارتا بھی ہے، اور نوازتا بھی ہے، نفع اور نقصان دونوں  
اسی کے ہاتھ میں ہیں اس سے ڈرنا بھی چاہیے اور اس سے محبت بھی کرنی چاہیے۔

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ  
لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَلَا  
تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا  
وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ  
رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ  
الْمُحْسِنِينَ

(لوگو!) اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر، چپکے  
چپکے پکار کر، وہ حد سے بڑھ جانے والوں  
کو پیر نہیں کرتا، اور زمین میں اس کی  
درستی کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور اس کو (اس  
کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس  
کے فضل و کرم کی) لو لگاتے ہوئے پکارا

کرد

(اعراف)

اس سے زیادہ پر لطف یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈراتا ہے، مگر اس کو  
جبار اور قہار کہہ کر نہیں بلکہ مہربان اور رحیم کہہ کر، خدا کے سعید بندوں کی صفت یہ  
ہے کہ۔

وَحَشَى الرَّحْمَنِ بِالْغَيْبِ (یس) اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا  
مَنْ حَشَى الرَّحْمَنِ بِالْغَيْبِ (ق) اور جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبانیں اس کے سامنے گنگ ہیں

وَحَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ اور رحم والے کے ادب سے تمام آوازیں  
لِلرَّحْمَنِ (ط) پست ہو گئیں۔

## انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کسی حسین اور محبوب چیز کی نسبت 'اگر اس کے عاشقوں اور محبت کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ اس کی کوئی ادا تم کو پسند آئی' اس کے کس حصہ میں تم کو حسن و جمال کا منظر نظر آتا ہے؟ اس کے کس حسن و خوبی نے تم کو فریفتہ کیا ہے؟ تو یقیناً پوری جماعت کا ایک ہی جواب نہ ہو گا، کوئی کسی حصہ کا نام لے گا، کوئی کسی ادا کی تعریف کرے گا، کوئی کسی خوبی کا اپنے کو شیدا بنائے گا، اسی طرح دنیا میں جو پیغمبر آئے وہ کئی قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے خدا کے صرف جلال و کبریائی کا جلوہ تھا، اور اس لئے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ دوسرے وہ جو محبت الہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی فحانہ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ۔

لیکن پیغمبروں میں ایک ہستی آئی جو برزخ کبریٰ، منبع جلال و جمال، اور جامع مستی و ہوشیاری تھی، یعنی محمد رسول اللہ صلع، ایک طرف آپ کی آنکھیں خوف الہی سے اشک آلود رہتی تھیں، دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم سے سرور تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت میں یہ دونوں منظر لوگوں کو نظر آجاتے، چنانچہ



جب راتوں کو آپ شوق و ولولہ کے عالم میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے، قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں، ہر قسم اور ہر معنی کی آیتیں گذرتی جاتیں، جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی، پناہ مانگتے، اور جب کوئی مروت و محبت اور رحم و بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا (۱) مانگتے۔

## راہ اعتدال

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ خوف و خشیت اور رحم و محبت کی سچ کے شاہراہ میں انسانوں کو کھڑا کرے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء ”ایمان کامل خوف اور امید کے درمیان ہے“ کہ تنہا خوف خدا کے رحم و کرم سے ناامید اور محض رحم و کرم پر بھروسہ لوگوں کو خود سر اور گستاخ بنادیتا۔ جیسا کہ اس عملی دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں ہم کو تم کو اور سب کو نظر آتا ہے، اور مذہبی حیثیت سے عملاً اس کے نتائج کا مشاہدہ یہودیوں اور عیسائیوں میں کیا جاسکتا ہے کہ ایک ناامید محض اور دوسرا سرتاپا امید ہے۔

عیسائیوں نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا، اور اپنے کو ”فرزند الہی“ کا لقب دیا، بعض یہودی فرقوں نے بنی اسرائیل کو خدا کا خاندان اور محبوب ٹھہرایا، اور حضرت عیسیٰؑ کے جوڑ پر، حضرت عزیرؑ کو ”فرزند الہی“ کا رتبہ دیا، لیکن اسلام یہ شرف کسی مخصوص خاندان یا خاص قوم کو عطا نہیں کرتا، بلکہ وہ تمام انسانوں کو مہدگی اور اطاعت کی ایک سطح پر لا کھڑا کرتا ہے، مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کا دعویٰ تھا۔

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ط (مانڈہ) ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس کے جواب میں کہا:-

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ط بَلْ  
 أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ ط  
 اگر ایسا ہے تو خدا تم کو تمہارے گناہوں  
 کے عذاب کیوں دیتا ہے اس لئے تمہارا  
 دعویٰ صحیح نہیں بلکہ تم بھی انہیں انسانوں  
 میں سے ہو جن کو اس نے پیدا کیا۔ (مائدہ)

دوسری جگہ قرآن نے تنہا یہودیوں کے جواب میں کہا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ  
 أَنْتُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ  
 النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ  
 صَادِقِينَ (جمع)  
 اے وہ جو یہودی ہو اگر تم اپنے اس خیال  
 میں سچے ہو کہ تمام انسانوں کو چھوڑ کر تم  
 ہی خدا کے خاص چہیتے ہو تو موت (یعنی  
 خدا کی ملاقات) کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔

اسلام رحمت الہی کے تنگ دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ اس  
 کی وسعت میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے ایک شخص نے مسجد نبوی میں  
 آکر دعا کی کہ ”خدا یا! مجھ کو اور محمد ﷺ کو مغفرت عطا کر آپ نے فرمایا ”خدا کی وسیع  
 رحمت کو تم نے تنگ کر دیا (۱)“ ایک اور اعرابی نے مسجد میں دعا مانگی کہ ”خدا یا! مجھ پر  
 اور محمد ﷺ پر رحمت بھیج“ اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر“ آپ نے صحابہ کی  
 طرف خطاب کر کے فرمایا۔ ”یہ زیادہ گمراہ ہے“ یا اس کا اونٹ (۲)۔“

### غلط فہمی کا سبب

اسلام کے متعلق عیسائیوں نے جو یہ غلط فہمی پھیلا رکھی ہے کہ اس کا خدا  
 رحم و کرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معرا ہے اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ  
 اسلام عیسائیت کی اس اصطلاح اور طرزِ ادا کو سخت ناپسند کرتا ہے جس کے ذریعہ سے

(۱) صحیح بخاری مکتب الادب = (۲) ابوداؤد مکتب الادب

وہ خدا کے ان اوصاف کو نمایاں کرتی ہے، یعنی باپ اور بیٹے کا لفظ کہ؟ اس سے گمراہی پھیلتی ہے، یہ گمراہی کچھ عیسائیوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اور دوسرے فرقے بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

اصل یہ ہے کہ خدا اور بندہ کے باہمی مہر و محبت کے جذبات کو یہ فرقے اپنی بولی میں نمایاں کرنا چاہتے ہیں، یہ جذبات انسانوں کے اندر باہمی رشتوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتے ہیں، اس بنا پر بعض نادان فرقوں نے اس طریقہ ادا کو خالق و مخلوق کے ربط و تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے بہترین اسلوب سمجھا، چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے، دوسرے نے ماں کی محبت کا بڑا درجہ سمجھا، اس لئے اس تعلق کو، ماں اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا، اور دیوتاں انسانوں کی مائیں بنیں، جیسا کہ ہندوؤں کا عام مذہب ہی تخیل ہے، خاص ہندوستان کی خاک میں زن و شو کی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے، جس کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں مل سکتی ہے، اس کی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ پر اثر منظر اور ناقابل شکست پیمانہ کوئی دوسرا نہیں، اس لئے یہاں کے بعض فرقوں میں خالق و مخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن و شو کی اصطلاح سے ادا کیا جاتا ہے، سداساگ فقرا اس تخیل کی مضحکہ انگیز تصویر ہیں۔

## انتہائی ضلالت

دیکھو! یہ تمام فرقے جنہوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جسمانی اور مادی رشتوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا، وہ کس قدر راہ سے بھٹک گئے، اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف ان کے عوام کو بلکہ خواص تک کو گمراہ کر دیا، اور لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر جسمانیات کے ظاہری مغالطوں میں گرفتار ہو گئے، عیسائیوں نے واقعی حضرت عیسیٰ کو پٹا سمجھ لیا، ہندوستان کے بیٹھوں نے مائوں کی پوجا شروع کر دی،

سدا سہاگ فقیروں نے چوڑیاں اور ساڑیاں پہن لیں، اور خدائے قادر شوخیاں کرنے لگے، اسی لئے اسلام نے جو توحید خالص کا مبلغ تھا، ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی، اور خدا کے لئے ان الفاظ کا استعمال اس نے ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور منشاء کو، اور اس مجاز کے پردہ میں جو حقیقت مستور ہے اس کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ ان جسمانی معنوں کو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے ناکافی اور غیر مکمل سمجھتا ہے اور ان سے بھی زیادہ وسیع معنی کا طالب ہے۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ  
 تَمَّ خُدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے  
 باپوں کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ  
 (۴۷) یاد کرو

دیکھو! کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کیلئے ناکافی قرار دیتا ہے، اور عبد و معبود کے درمیان محبت کے رشتہ کو اس سے اور زیادہ مضبوط کرنا چاہتا ہے۔

### خدا کا تصور

الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقہ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سرے سے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی ہے، اتنا کون نہیں سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانوں کی بولی میں اتری ہیں، ان کے تمام خیالات اور تصورات اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہیں، اس لئے ان کے ذہن میں کسی غیر مادی اور غیر جسمانی ذات کا تصور مادی اور جسمانی تصور کی وساطت کے بغیر براہ راست پیدا نہیں ہو سکتا، اور نہ اس کے لئے ان کی لغت

کا کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے، جو غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر منزه اور بلند طریقہ سے بیان کرے جس میں مادیت اور جسمانیت کا مطلق شائبہ نہ ہو، انسان ان دیکھی چیزوں کا تصور، صرف دیکھی ہوئی چیزوں کی تشبیہ سے پیدا کرتا ہے، اور اس طرح ان ان دیکھی چیزوں کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے۔

اس ”ان دیکھی ہستی“ کی ذات و صفات کے متعلق، جس کو تم خدا کہتے ہو، ہر مذہب میں ایک تخیل ہے، غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروؤں کے گرد و پیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک بلند تر اور کامل تر مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت، جسمانیت اور انسانیت کی آلائشوں سے اس حد تک پاک و منزه کر دے، جہاں تک بنی نوع انسان کے لئے ممکن ہے، خدا کے متعلق باپ، ماں اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی، جسمانی اور انسانی ہے کہ اس تخیل کے معتقد ناممکن ہے کہ خالص توحید کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکیں، جیسا کہ تم اعلانیہ دیکھ رہے ہو، اس لئے اسلام نے یہ کیا کہ ان مادی تعلقات اور جسمانی رشتوں کے الفاظ کو، خالق و مخلوق کے اظہار ربط و تعلق کے باب میں یک قلم ترک کر دیا، بلکہ ان کا استعمال ہی شرک و کفر قرار دیا تاہم چونکہ حقائق روحانی کا اظہار بھی انسانوں ہی کی مادی بولی میں کرنا ہے، اس لئے اس نے جسمانی و مادی رشتہ کے ان جذبات، احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقات بائین کے اظہار کے لئے مستعار لے لیا، جن کا اظہار دوسرے مذہب نے، ان رشتوں کے ذریعہ کرنا چاہا تھا، اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ قائم کئے بغیر ربط و تعلق کا اظہار اس نے کیا، اور انسانوں کو استعمالات کی لفظی غلطی سے جو گمراہیاں پہلے پیش آچکی تھیں، ان سے ان کو محفوظ رکھا۔

ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں، جن کو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے، اور گوان

کی حیثیت اب علم اور نام کی ہے، تاہم وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کئے گئے ہیں، ہر قوم نے اس علم اور نام کے لئے اسی وصف کو پسند کیا ہے جو اس کے نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی۔

## من موہن

اسلام نے خالق کے لئے جو نام اور علم اختیار کیا ہے وہ لفظ اللہ ہے اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے اس میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے، مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ وَلَآءُ سے نکلا ہے وَلَآءُ اور وَلَہُ اصل معنی عربی میں اس ”غم“ ”محبت“ اور ”تعلق خاطر“ کے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے اسی سے بعد کو مطلق ”عشق و محبت“ کے معنی پیدا ہو گئے اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ والہ (شیدا) مستعمل ہے اس لئے اللہ کے معنی ”محبوب اور پیارے“ کے ہیں جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ کائنات کے دل سرگرداں، متحیر اور پریشان ہیں، حضرت مولانا شاہ فصل رحمٰنؒ مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے اللہ کا ترجمہ وہ ہندی میں ”من موہن“ یعنی ”دلوں کا محبوب“ کیا کرتے تھے۔

## رحمان و رحیم

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفتوں پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے، وہ ”رحمان“ اور ”رحیم“ ہیں ان دونوں لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں، یعنی ”رحم والا“ ”مربان“ ”لطف و کرم والا“ اور پھر یہی اوصاف بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (محبوب، مربان، رحم والا) قرآن مجید کے ہر سورۃ

کے آغاز میں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، ہر نماز میں کئی کئی دفعہ ان کی تکرار ہوتی ہے، کیا اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لئے کوئی دلیل مطلوب ہے۔

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں خدا کا دوسرا علم یہی لفظ ”رحمان“ ہے، جو رحم و کرم اور لطف و مہر کے معنی میں صفت مبالغہ کا لفظ ہے۔

قُلْ أَدْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ  
أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ  
الْحُسْنَى

اس کو محبوب کو یا مہربان کو، جو کہہ کر اس کو پکارو، اس کے سب ہی نام اچھے ہیں۔

قرآن مجید نے لفظ بسم اللہ الرحمان الرحیم کی صد بار کی تکرار کو چھوڑ کر 53 موقعوں پر خدا کو اس نام سے پکارا ہے۔

## اسمائِ الہیہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بیسیوں اوصافی نام ہیں، احادیث میں اس کے ننانوے نام گنائے گئے ہیں، ان ناموں میں اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلالی و جمالی اوصاف آگئے ہیں، لیکن استقصار کرو تو معلوم ہوگا کہ ان میں بڑی تعداد انہیں ناموں کی ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مہر و محبت کا اظہار ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک وصف اَلْوَدُودُ (سورۃ ذات البروج میں) آیا ہے، جس کے معنی ”محبوب“ اور پیارے“ کے ہیں، کہ وہ سر تا پا مہر و محبت، اور عشق اور پیار ہے، اس کے سوا خدا کا ایک اور نام الوئی ہے، جس کے لفظی معنی ”یار“ اور ”دوست“ کے ہیں، خدا کا ایک اور نام قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے وہ الرَّؤُف ہے، ”رؤف“ کا لفظ ”رافت“ سے نکلا ہے، ”رافت“ کے معنی اس محبت اور تعلق خاطر

کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، اسی طرح خدا کے لئے قرآن مجید میں ایک اور نام حَنَّانُ آیا ہے جو ”حن“ سے مشتق ہے، ”حن“ اور ”حنین“ اس سوز دل اور محبت کو کہتے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، یہ الفاظ ان مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے اختیار کئے ہیں، دیکھو کہ وہ ان رشتوں کا نام نہیں لیتا ہے، لیکن ان رشتوں کے درمیان محبت اور پیار کے جو خاص جذبات ہیں ان کو خدا کے لئے بے تکلف استعمال کرتا ہے، اس طرح مادیت اور جسمانیت کا تخیل آئے بغیر وہ ان روحانی معانی کی تلقین کر رہا ہے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء اور صفات مذکور ہیں، ان کو بھی اس موقع پر پیش نظر رکھنا چاہیے اس کا نام غَفَّارُ (خش کرنے والا) غَفُورُ (بخشنے والا) سَلَامُ (امن و سلامتی) ہے کہ وہ سر تاپا اپنے بے پناہ بندوں کیلئے امن اور سلامتی ہے پھر وہ مُؤْمِنُ (امن دینے والا ہے) وہ اَلْعَدْلُ یعنی سر تاپا انصاف ہے، اَلْعَفُوُ (معاف کرنے والا ہے) اَلْوَهَّابُ (عطا کرنے والا) اَلْحَلِيمُ (بردبار) اَلصَّبُورُ (بندوں کی گستاخیوں پر صبر کرنے والا) اَلتَّوَّابُ (بندوں کے حال پر رجوع ہونے والا) اَلْبَرُّ (نیک اور مجسم خیر) اور اَلْمُقْسِطُ (منصف اور عادل) ہے ان میں ہر لفظ پر ٹھہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کس قدر بلند اور برتر ہے۔

## کتب سابقہ

توراة کے اسفار اور انجیل کے صحیفوں میں ایک ایک ورق ڈھونڈو کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بڑی محبت، یہ سراپا مہر و کرم اسماء و صفات کی یہ کثرت تم کو وہاں ملے گی؟ اسلام اللہ تعالیٰ کے لئے ماں اور باپ کا لفظ یہودی و نصاریٰ اور ہنود کی طرح



استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتا، مگر اس لطف احساس اور مرد و کرم کے جذبات و عواطف سے وہ بے بہرہ نہیں جن کو یہ فرقے اپنا مخصوص سرمایہ روحانی سمجھتے ہیں، مگر بات یہ ہے کہ ان روحانی جذبات اور معنوی احساسات کے ساتھ وہ شرک و کفر کی اس ضلالت اور گمراہی سے بھی انسان کو چھٹا چاہتا ہے، جو ذرا سی لفظی غلط فہمی سے مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو اصلیت سمجھ کر، پاک اور سرتاپا روحانی معانی کو مادی اور مجسم یقین کر لیتے ہیں، اور اس لئے وہ اس بلند تر توحید کی سطح سے بہت نیچے گر کر سر رشته حقیقت کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔

## خدا کا آخری پیغام

اسلام، مکمل ازل کا آخری پیغام ہے اس لئے ضرورت تھی کہ وہ اس قسم کی قرشوں سے پاک مبرا ہو، حقائق روحانی کی تعبیر کے لئے یقیناً مادی اور جسمانی استعارات اور مجازات سے چارہ نہیں، تاہم ایک دائمی مذہب کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تعلیم کو ان استعارات کی غلطیوں اور غلط فہمیوں سے محفوظ رکھے، چنانچہ اسلام نے اسی بناء پر ان استعارات اور مجازات کے استعمال میں بڑی احتیاط برتی ہے، اور خدا کے مرد و کرم اور عشق و محبت کے تذکروں کے ساتھ، ادب و لحاظ کے قواعد کو فراموش نہیں کر دیا ہے، قرآن مجید اور احادیث، روحانی عشق و محبت کے ان دل آویز اور ولولہ انگیز حکایات سے معمور ہیں، بایں ہمہ وہ انسان کو پتا اور خدا کو باپ نہیں کتا کہ عبد و معبود کے تعلقات کے اظہار کے لئے اس کے نزدیک یہ کوئی بلند تر تعبیر نہیں، وہ خدا کو آب (باپ) کے جائے ”رب کہہ کر پکارتا ہے، وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہیں، بلکہ تمام دنیا کا رب کتا ہے۔

”اب اور رب“ ان دونوں لفظوں کا باہمی معنوی مقابلہ کرو تو معلوم ہو گا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا تجنیل، اسلام کے مطیع نظر سے کس درجہ پست ہے، اب

یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص کیفیت اور مدت سے لیکر ایک محدود عرصہ تک رہتا ہے، اس کے وجود میں اس کو یک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے، مگر اس کے قیام و بقاء، زندگی، ضروریات، زندگی، سامان حیات، نشوونما اور ارتقاء کسی چیز میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی، عہد طفلی تک شاید کچھ اور واسطہ ہو، اس کے بعد تو چہ اپنے والدین سے الگ، مستقل اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے، مگر ذرا غور کرو کیا عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے، کیا مدہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لمحہ کے لئے بھی بے نیاز اور مستغنی ہو سکتا ہے، کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے۔

## رب کا مفہوم

دبوبیت (پرورش) عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے جو آغاز سے انجام تک قائم رہتا ہے، جو ایک لمحہ کے لئے منقطع نہیں ہو سکتا، جس کے بل اور سارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے، وہ گوارہ عدم سے لیکر فنا، محض کی منزل تک ہر قدم پر موجودات کا ہاتھ تھا، رہتا ہے، وہ ذرہ ہو یا ایتھر، قطرہ آب ہو، یا قطرہ خون، مضغہ گوشت ہو یا مشیت استخوان، شکم مادر میں ہو، یا اس سے باہر، چہ ہو یا جوان، ادھیڑ ہو یا بوڑھا، کوئی آن، کوئی لمحہ رب کے مہر و کرم اور لطف و محبت سے استغنا اور بے نیازی نہیں ہو سکتی۔

علامہ ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت، جسمانیت، ہم جنسی اور برابری کا جو تخیل پیدا ہوتا ہے، اس سے لفظ رب یک قلم پاک ہے، اور اس میں ان ضلالتوں اور گمراہیوں کا خطرہ نہیں جن میں نصرانیت اور ہندویت نے ایک عالم کو مبتلا کر رکھا ہے۔

## حقیقت ایمان

اب ہم کو ان آیتوں اور حدیثوں کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہے، جن سے روشن ہو کر اسلام کا سینہ اس ازلی وابدی عشق و محبت کے نور سے کس درجہ معمور ہے اور وہ ٹھکانہ الست کی سرشاری کی یاد پیچھے ہوئے انسانوں کو کس طرح دلا رہا ہے، اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے، ایمان کی سب سی بڑی خاصیت اور علامت ”حب الہی“ ہے اور یہ وہ دولت ہے جو اہل ایمان کی پہلی جماعت کو عملاً نصیب ہو چکی تھی، زبان الہی نے شہادت دی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ  
جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ خدا سے  
محبت رکھتے ہیں۔ (قرہ)

اس نشہ محبت کے سامنے باپ، ماں، اولاد، بھائی، بیوی، جان، مال خاندان سب قربان اور شمار ہو جانا چاہیے ارشاد ہوتا ہے۔

اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ  
وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ  
وَاَمْوَالٌ نِّ فُتْرَ فُتْمُوْهَا وَتِجَارَةٌ  
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ  
تَرْضَوْنَهَا اَحَبُّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ  
وَرَسُوْلُهُ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهِ  
فَقَرَّبْصُوْحَتِيْ يٰاَتِي اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط

اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے  
بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا کنبہ اور وہ  
دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری جس  
کے مند اپڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے، خدا اور اس  
کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تم  
کو زیادہ محبوب اور پیار ہے تو اس وقت تک  
انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لے آئے۔

ایمان کے بعد بھی اگر نشہ محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادہ حق سے دوری ہے چنانچہ جو لوگ کہ راہ حق سے بھٹکا چاہتے تھے ان کو پکار کر سنا دیا گیا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ  
عَنْ دِينِهِ فَمَا يَتَّبِعْ يَأْتِ اللَّهَ يَنْقُومٌ  
يُجِزُّهُمْ وَيُجِزُّوْنَهُ  
مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین اسلام  
سے پھر جائیگا تو خدا کو اس کی کچھ پروا نہیں وہ  
ایسے لوگوں کو لاکھڑا کریگا جن کو وہ پیار کریگا  
اور وہ اس کو پیار کریں گے۔

(مائدہ)

## آثار و علامات

حضرت مسیحؑ نے کہا ”درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے“ ہر معنوی اور  
روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جسمانی علامت سے پہچانی جاتی ہے، تم کو زید کی محبت کا  
دعوئی ہے، مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیدار کی تڑپ ہے، نہ تمہارے سینہ میں  
صدمہ، فراق کی جلن، اور نہ آنکھوں میں ہجر و جدائی کے آنسو ہیں، تو کون تمہارے  
دعوے کی تصدیق کرے گا؟ اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویدار تو بہترے ہو  
سکتے ہیں مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اس کے احکام  
کی پیروی اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي  
يُحِبِّبْكُمْ اللَّهُ  
اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو  
کہ خدا ابھی تم کو پیار کریگا۔

(آل عمران)

طبقات انسانی میں متعدد ایسے گروہ ہیں جن کو خدا کی محبت اور پیار کی دولت

ملی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (مائدہ)  
 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (بقرہ)  
 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (آل عمران)  
 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (مائدہ)  
 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (توبہ)  
 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيلِهِ (صف)  
 خدا نیکی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔  
 خدا توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔  
 خدا توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔  
 خدا منصف مزاجوں کو پیار کرتا ہے۔  
 خدا پرہیزگاروں کو پیار کرتا ہے۔  
 خدا ان کو پیار کرتا ہے جو اس کے راستہ میں لڑتے ہیں۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (آل عمران)  
 وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُنتَظِرِينَ (توبہ)  
 اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔  
 اور خدا پاک صاف لوگوں کو پیار کرتا ہے۔

## دائمی مسرت

دنیا کے عیش و مسرت، باغ و بہار، شادی و خوشی میں اگر کوئی خیال کاغذ سا چھتا ہے، اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مکدر اور منقص بنا کر بے فکری کی بہشت کو، فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہے، پہلے کا نام حزن و غم ہے، اور دوسرے کا نام خوف و ہشت ہے، غرض غم اور خوف یہی دو کانٹے ہیں جو انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ چھتے رہے ہیں لیکن جو محبوب حقیقی کے طلب گار اور اس کے والد و شیدائیں ان کو بشارت ہے کہ ان کا جہنستان عیش اس خار زلر سے پاک ہوگا۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس)  
 ہاں! خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

محبت کا جو جذبہ بڑے کو چھوٹے کے ساتھ احسان، نیکی، درگزر اور غنودہ بخشش پر آمادہ کرتا ہے اس کا نام ”رحم“ اور ”رحمت“ ہے، اسلام کا خدا تبار رحیم ہے، اسکی رحمت کے فیض سے عرصہ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے، اسکا نام رحمان، رحیم ہے، جو کچھ یہاں ہے سب اسکی رحمت کا ظہور ہے، وہ نہ ہو تو کچھ نہ ہو، اسی لئے اس کی رحمت سے ناامیدی جرم اور مایوسی گناہ ہے، مجرم سے مجرم اور گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کیلئے ہمہ وقت آمادہ و تیار ہے، گنہگاروں اور مجرموں کو وہ ”میرے بندے“ کہہ کر تسلی کا یہ پیام بھیجتا ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ  
 أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ  
 إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا  
 إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (زمر)

اے پیغمبر! میرے ان بندوں کو پیام پہنچا  
 دے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ  
 وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ یقیناً  
 تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے کہ وہی بخش  
 کرنے والا اور رحیم کھانے والا ہے۔

فرشتے حضرت ابراہیم کو بھارت سناتے ہیں تو کہتے ہیں

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَايِطِينَ  
 ناامیدوں میں سے نہ ہو

خلیل اللہ اس رمز سے نا آشنا نہ تھے کہ مرتبہ خلعت محبت سے مافوق ہے، جواب دیا۔

وَمَنْ يَقْنَطُ عَن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا  
 الْقَوْمُ الضَّالُّونَ (حجر)

اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے  
 سوال اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

خدا کے بندوں کی جانب سے کوئی پابندی عائد نہیں، مگر اس نے خود اپنی  
 رحمت کے اقتضا سے اپنے اوپر کچھ چیزیں فرض کر لی ہیں، منجملہ ان کے ایک رحمت ہے،

خدا انجھرموں کو سزا دے سکتا ہے وہ گنہگاروں پر عذاب بھیج سکتا ہے وہ سبہ کاروں کو ان کی گستاخیوں کا مزہ چکھا سکتا ہے وہ غالب ہے وہ قاهر ہے وہ جبار ہے وہ مفتاح ہے لیکن ان سب کے ساتھ وہ غفار و غفور ہے رحمان و رحیم ہے رؤف و غفور ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس نے اپنے اوپر رحمت کی پابندی خود بخود عائد کر لی ہے۔ اور اپنے اوپر اس کو فرض گردان لیا ہے۔

کَتَبَ عَلٰی نَفْسِیْهِ الرَّحْمَۃَ اللہ نے از خواپے اوپر مہربانی کرنے کو لازم کر لیا ہے (انعام)

قاصد خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ اور تسلی کا یہ پیام دو کہ اس کا باب رحمت ہر وقت کھلا ہے۔

وَ اِذَا جَاۤءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاِیْتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ کَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِیْهِ الرَّحْمَۃَ اَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا یُجْهَالِہٖ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (انعام)

اے پیغمبر! جب تیرے پاس وہ آئیں جو میری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں تو ان کو کہہ کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر از خود اپنے بندوں پر مہربان ہونا لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے براہ نادانی برائی کر پٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور نیک بنے تو بیشک وہ بخشے والا اور رحم کریندو لا ہے۔

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایہ رحمت سے محروم نہیں۔

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔ (اعراف)

## عفو عام کی بشارت

بخاری و ترمذی وغیرہ صحیح حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو اس نے اپنے دست خاص سے اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کر لی، جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ ”اگر مومن کو یہ معلوم ہو تا کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت کی طمع نہ کرتا اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو تا کہ خدا کی رحمت کس قدر بے حساب ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا“ یہ اسلام کے تخیل کی صحیح تعبیر ہے۔ بارگاہِ احدیت کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب سے گنہگاروں کو بشارت سنا تا ہے کہ ”اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے آس لگائے رہو گے میں تمہیں بخشا رہوں گا“ خواہ تم میں کتنے ہی عیب ہوں، مجھے پرواہ نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر تمہارے گناہ آسمان کے بادلوں تک پہنچ جائیں، اور پھر تم مجھ سے معافی چاہو تو میں معاف کر دوں خواہ تم میں کچھ ہی عیب ہوں مجھے پرواہ نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو، پھر تم ہمارے پاس آؤ، اور میرا کسی کو شریک نہ بناتے ہو، تو میں بھی پوری زمین بھر مغفرت لیکر تمہارے پاس آؤں، کیا انسانوں کے کانوں نے اس رحمت، اس محبت اس عفو عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے بھی سنی ہے؟

حضرت ابو ایوبؓ صحابی کی وفات کا وقت جب قریب آیا، تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آنحضرت صلم نے فرمایا کہ ”اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا اور مخلوق پیدا کرنا بجو گناہ کرتی کہ وہ اس کو بخشا“ یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم و کرم کے اظہار کے لئے گنہگاروں ہی کی تلاش ہے کہ نیکو کاروں کو تو سب ڈھونڈتے ہیں، مگر گنہگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے۔

دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور مہر و محبت کے عناصر پائے



جاتے ہیں جن کی مہاء پر دوستوں، عزیزوں، قرابت داروں، اولادوں میں میل ملاپ اور رسم و محبت ہے، اور جس کی بنا پر دنیا میں عشق و محبت کے یہ مناظر نظر آتے ہیں، تم کو معلوم ہے کہ یہ اس شاہد حقیقی کے سرمایہ محبت کا کتنا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے، ان میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا، جس کے اثر سے وہ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں، باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں (۱)۔ اس لطف و کرم، اور مرد و محبت کی بھارتیں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں، اور کس نے گنہگار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص شراب خواری کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلم کے خدمت میں پیش ہوا، صحابہ نے تنگ آکر کہا، ”خداوند! تو اپنی لعنت اس پر نازل کر کہ یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے“ رحمتہ للعالمین ﷺ کو صحابہ کی یہ بات ناپسند آئی، فرمایا ”اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول ﷺ سے محبت ہے“ تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لئے بھی خدا کی محبت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔

### رحمتہ للعالمین ﷺ

لکن ماجہ میں ہے کہ مدینہ میں ایک غریب مسلمان نے وفات پائی، اس کا غم کس نے کیا ہو گا؟ ہاں اس دل نے جو دنیا کا غم خواریں کر آیا تھا، اس کے فراق ظاہری سے چہرہ مبارک پر اندوہ و ملال کے آثار تھے، صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلم! آپ کو اس مرنے والے کی موت کا غم ہے؟ فرمایا، ہاں کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت تھی، اس غریب میں اس محبت کا یہ اثر تھا کہ وہ ہمیشہ زور زور سے قرآن پڑھا کرتا تھا،

غریبوں کے دل خدا کی محبت کے خزانے ہیں، صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک صاحب کو کسی جماعت کا افسر بنا کر بھیجا تھا وہ جب نماز پڑھاتے تھے تو ہر نماز میں ہر سورۃ کے آخر میں قل ھو اللہ ضرور پڑھتے تھے جب سفر سے یہ جماعت لوٹ کر آئی تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس نے یہ واقعہ عرض کیا فرمایا ”ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں“ لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ اس سورۃ میں رحم والے خدا کی صفت بیان ہے، تو مجھ کو اس کے پڑھنے سے محبت ہے“ فرمایا ”ان کو بشارت دو کہ وہ رحم والا خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے“ یہ بشارت اسلام کے سوا کسی اور نے بھی سنائی ہے؟

## المتر مع من احب

صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے خدمت والا حاضر ہو کر دریافت کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ“ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا تم نے اس کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے؟ ”نادم ہو کر شکستہ دلی سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میرے پاس نہ تو نمازوں کا، نہ روزوں کا، اور نہ صدقات و خیرات کا بواذخیرہ ہے، جو کچھ سرمایہ ہے وہ خدا اور رسول کی محبت کا ہے اور بس! فرمایا ”تو انسان جس سے محبت کرے گا، وہ اسی کے ساتھ رہے گا“ صحابہ نے اس بشارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی کہ صرف خدا اور رسول کی محبت تمام نیکیوں کا بدل اور معاوضہ ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ”جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو فرشتہ خاص جبریلؑ سے اس کا تذکرہ کرتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو پیار کرتا ہوں، تو جبریلؑ بھی اس کو پیار کرتے ہیں، اور آسمان میں پکار دیتے ہیں کہ خدا اس بندہ کو پیار کرتا ہے، تم بھی پیار کرو، تو آسمان والے بھی اس کو پیار کرتے ہیں، اور پھر زمین میں اس کو ہر

دلعزیزی اور حسن قبول حاصل ہوتا ہے، دیکھو کہ اسلام کا خدا اپنے بندوں سے کس اعلان اور اشتہار کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

## عطائے عمومی

ترمذی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلم سے راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”میرا بندہ اپنی طاعتوں سے میری قربت کو اس قدر ڈھونڈتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، یہاں تک کہ میں اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے“ یہ دولت، یہ نعمت، یہ سعادت اسلام کے دروازے کے سوا کہیں اور سے بھی بھٹی ہے؟

امام بزاز نے مسند میں حضرت ابو سعید سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلم نے فرمایا ”میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو نہ نبی ہیں اور شہید ہیں، لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا سے محبت ہے اور جن کو خدا پیار کرتا ہے، وہ اچھی باتیں بتاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں“ الخ یہ قابل رشک رتبہ اسلام کے سوا اور کون عطا کرتا ہے؟

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لوگو! ”خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے، اور خدا کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے سبب میری اہل بیت سے محبت کرو“ یہ عشق و محبت کی دعوت محبوب ازلی کے سوا اور کون دے سکتا ہے؟

## محبت الہی کی طلب

جو کچھ اسلام کی تعلیم تھی وہ پیغمبر اسلام کی عملی زندگی تھی۔

عام مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کا لقب ”حبیب خدا“ ہے دیکھو کہ حبیب و محبوب میں خلعت اور محبت کے کیا کیا ناز و نیاز ہیں، آپ خشوع و خضوع کی دعاؤں میں اور خلوت کی ملاقاتوں میں کیا ڈھونڈتے اور کیا مانگتے تھے کیا چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے! امام احمد اور بزاز نے مسندوں میں ترمذی نے جامع میں، حاکم نے مستدرک میں، اور طبرانی نے معجم میں متعدد صحابیوں سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں محبت الہی کی دولت مانگا کرتے تھے، انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے لیکن محبوب خدا کی نگاہ میں یہ چیزیں بیچ تھیں، دعا فرماتے تھے، خداوند!

میں تیری محبت سے مانگتا ہوں اور جو تجھ سے  
محبت کرتا ہے اس کی محبت اور اس کام کی  
محبت جو تیری محبت سے قریب کر دے۔

اے نبی! تو اپنی محبت جان سے اور اہل عیال سے اور  
ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں  
محبوب بنا۔

اسئل حبك وحب من یحبك  
وحب عمل یقرب الی حبك  
(احمد ترمذی، حاکم)

اللہم اجعل حبك احب الی  
من نفسی واهلی ومن الماء  
البارد  
(ترمذی، حاکم)

عرب میں ٹھنڈا پانی، دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گراں اور قیمتی ہے، لیکن حضور ﷺ کی پیاس اس مادی پانی کی خشکی سے نہیں سیر ہوتی تھی، وہ صرف محبت الہی ہی کا زلال خالص تھا جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا، عام انسان روٹی سے جیتے ہیں، مگر ایک عاشق الہی (مسح) کا قول ہے کہ ”انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا“

پھر وہ کونسی روٹی ہے جس کو کھا کر انسان پھر کبھی بھوکا نہیں ہوتا، حضور دعا فرماتے ہیں۔

اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حَبْكُ وَحُبْ مَنْ خُداوند! تو مجھے اپنی محبت اور اس کی محبت جو  
يَنْفَعْنِيْ فِيْ حَبْكُ (ترمذی) تیری محبت کی راہ میں نافع ہے مجھے روزی کر

عام ایمان، خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے، مگر جانتے ہو کہ اس راہ کی آخری منزل کیا ہے؟ صحیحین میں ہے

مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُولَهُ احِبَّ يَهْدِيْهِ اللّٰهُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ  
الیہ مما سواہ' اس کی محبتیں پیچ ہو جائیں۔

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ اپنے خدا کو ماں باپ سمجھیں اور اس سے اسی طرح محبت کریں جس طرح اپنے والدین سے کرتے ہیں، اور چونکہ اسلام نے اس طریقہ تعبیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کا راستہ ہے ممنوع قرار دیا ہے اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام محبت الہی کے مقدس جذبات سے محروم ہیں، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ نہیں بلکہ اسلام کی بلندی نظر اور محبت کا عظیم معیار ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار کو پست تر اور فروتر سمجھتا ہے، قرآن مجید کی یہ آیت پاک بھی اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی جا چکی ہے۔

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِ اٰبَآءِ تَمَّ خُدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے  
كُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا باپ کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بہت زیادہ

## خدا کی رحمت

احادیث سے ہمارا یہ دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، لڑائی کا میدان ہے، دشمنوں میں بھاگ دوڑ مچی ہے جس کو جہاں امن کا گوشہ نظر آتا ہے، اپنی جان چا رہا ہے، بھائی بھائی سے ماں چہ سے، چہ ماں سے الگ ہے، اسی حال میں ایک عورت آتی ہے، اس میدان حشر میں اس کا چہ گم ہو گیا ہے، محبت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو چہ بھی اس کو سامنے نظر آ جاتا ہے، چہ کے جوش محبت میں اس کو چھاتی سے لگا لیتی ہے، اور اس کو دودھ پلا دیتی ہے، رحمۃ للعالمین ﷺ کی نظر پڑتی ہے، صحابہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ”کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے چہ کو اپنے ہاتھ سے دہکتی آگ میں ڈال دے؟“ لوگوں نے عرض کی ”ہرگز نہیں“ فرمایا ”تو جتنی محبت ماں کو اپنے چہ سے ہے، خدا کو اپنے بندوں سے اس سے بہت زیادہ محبت ہے“ (صحیح بخاری، باب رحمۃ الولد)

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ تشریف لارہے ہیں، ایک عورت اپنے چہ کو گود میں لیکر سامنے سے آتی ہے، اور عرض کرتی ہے کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے؟“ فرمایا ”ہاں!“ اے شک اس سے زیادہ ہے ”یوں“ تو کوئی ماں تو اپنی اولاد کو خود آگ میں ڈالنا گوارہ نہ کریگی، یہ سن کر فرط اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا ”خدا صرف اس بندہ کو عذاب دیتا ہے، جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے“ (سنن نسائی، باب ما یرجی من الرحمة)

آپ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں، ایک صحابی چادر میں ایک پرندہ کو مع اس کے چوں کے باندھ کر لاتے ہیں، اور واقعہ عرض کرتے ہیں، کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک جھاڑی سے ان چوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا، میں نے یہ دیکھا تو

میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑا کھول دیا تو وہ فوراً کر میرے ہاتھ پر چوٹیں پر گر پڑی، ارشاد ہوا ”کیا چوٹ کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، جو محبت اس ماں کو اپنے چوٹ کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے“ (مشکوٰۃ حوالہ ابو داؤد باب رحمۃ اللہ)

## حسن خاتمہ

ربانی نختانہ کا عشق کا آخری ہوشمند سرشار، ریاض محبت کی بیمار جاوداں کا آخری نغمہ خواں عنذلیب، نظارہ جمال حقیقت کا پہلا مشتاق، مستور ازل کے چہرہ زیر نقاب کا پہلا بند کشا، زندگی کے آخری گھنٹوں میں ہے، مرض کی شدت ہے، بدن خمار سے جل رہا ہے، اٹھ کر چل نہیں سکتا، لیکن یک بیک وہ اپنے میں ایک اعلان خاص کی طاقت پاتا ہے، مسجد نبوی میں جاں نثار حاضر ہوتے ہیں، سب کی نظریں حضور ﷺ کی طرف لگی ہیں، نبوت کے آخری پیغام سننے کی آرزو ہے، دفعتاً لب مبارک وا ہوتے ہیں، تو یہ آواز آتی ہے ”لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی براءت کرتا ہوں کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے، میرا پیارا صرف ایک ہی ہے، وہی جس نے ابراہیم کو اپنا پیارا بنایا، یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا، عین حالت نزع میں زبان مبارک پر یہ کلمہ مبارک تھا ”خداوند! بہترین رفیق (صحیح بخاری وفات)“

یہ سچ ہے کہ اسلام رحمت الہی کے ساتھ غضب الہی کا بھی معتقد ہے مگر جانتے ہو کہ اسلام کے عقیدہ میں اس کی رحمت و غضب کا باہمی توازن کیا ہے، خدا فرماتا ہے۔

رحمتی سبقت غضبی (بخاری)

میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی ہے۔

## صلائے عام

اے ربانی عشق و محبت کے طلبگارو! اگر واقعی تمہارے دل فانی محبت سے  
 ہٹ کر کسی باقی کی محبت کے خواہشمند ہیں، اگر درحقیقت تمہیں ازلی وابدی محبوب کی  
 تلاش ہے، اگر دراصل تمہارا جسم نہیں بلکہ تمہاری روح کسی کی محبت کی سرشاری  
 کیلئے بیتاب ہے، تو آؤ کہ یہ دولت صرف اسلام کے آستانہ پر ملتی ہے، اور اسی کے خزانہ  
 سے ملتی ہے!

یکم نومبر ۱۹۶۹ء



سنت



## سُنّت

خوشی کی بات ہے کہ کچھ لوگوں میں آج کل مذہبی تحقیقات کا شوق پیدا ہو رہا ہے گو وہ ہمارے نقطہ نظر سے آج کتنے ہی دور ہوں، مگر بہر حال ان کا یہ شوق اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ انہوں نے اس قسم کی بحثوں میں پڑنا اپنے لئے تضییع وقت نہیں سمجھا، گو اس کا افسوس ہے کہ کامل تحقیق سے پہلے اپنے غور و فکر کے نتائج کو عام مسلمانوں کے سامنے پیش کر دینا ممکن ہے کہ بہتوں کی ٹھوکر کا باعث ہو، حق کی اشاعت ضروری ہے، لیکن شائع کرنے والے پر اس کی بڑی ذمہ داری آتی ہے کہ وہ پہلے حق کا حق ہونا اچھی طرح سمجھ لے۔

اردو کے ایک ادبی (۱) رسالہ میں ماہِ مہماہ ایسے مضامین نکل رہے ہیں، جن میں اس قسم کی تحقیقات کے نمونے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، خصوصاً ایک خاص صاحب (۲) کے مضمون اور بھی زیادہ دلچسپ حقائق کا مجموعہ ہوا کرتے ہیں، جن کا سلسلہ خدا خدا کر کے اب تمام ہوا ہے، میں نے اس سلسلہ مضمون کے بعض ٹکڑوں کو

اس وقت بھی پڑھاتا تھا جب وہ پہلے پہل معارف میں چھپنے کی خاطر بھگے گئے تھے اور اب بھی دیکھا پھر موصوف کے خیالات سے اکثر خطوط و مکاتیب کے ذریعے بھی واقفیت ہوتی رہی، مگر ان تمام معلومات کے بعد بھی موصوف کے نظریات میں کوئی خاص اصول مد نظر نہیں معلوم ہوتا، میں نے ایک دفعہ ان کو یا ان کے ایک اور ہم خیال سب جج صاحب کو لکھا تھا۔

گاہ بردل زندو گاہ زندر ایمان  
یارِ زلف تو ندانم کہ چہ در سردارو

یہی شعرا بھی پڑھتا ہوں ہمارے دوست نے اسلامی احکام کی ایک طویل فہرست دی ہے، جو قرآن پاک میں مذکور نہیں اور ان کا ماخذ صرف حدیث ہے، مجھے تو ان میں سے اکثر احکام قرآن پاک میں نظر آتے ہیں۔

## اصول فہم قرآن

میں نے ایک سے زائد بار لکھا ہے کہ اس قسم کے مباحث میں جزئی باتوں کی تحقیق میں پڑنا بیکار ہے، ضرورت یہ کہ ان کے اصول کلیہ پر بحث کی جائے جن کے اندر یہ تمام جزئیات داخل ہیں، مثلاً ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی عبارت سے کسی مفہوم و معنی کے مستنبط کرنے کے کیا اصول ہیں؟ ہمارے یہاں اصول فقہ کا بڑا حصہ انہی مباحث کی تفصیل میں ہے، اور اس میں وہ اصول بتائے گئے ہیں، جن کی بنا پر کسی عبارت سے کسی مفہوم و معنی کا استنباط کر سکتے ہیں

مثلاً عث یہ ہے کہ اگر قرآن میں کوئی ایسا لفظ یا محاورہ ہے جس کے متعدد معنی ہیں یا جس کے حقیقی معنی یا مجازی معنی مراد ہونے میں شک ہو تو تعین کیونکر ہو گی یا یہ کہ اس کے معنی تو معلوم ہوں، لیکن اس کے شمول میں شک ہو کہ کتنے افراد کو یہ شامل ہے یا یہ عث ہو کہ یہ حکم مطلق ہے یا اس کے اندر کوئی استثناء یا تخصیص بھی ہے، یہ اور اسی قسم کی دوسری باتوں کے معلوم کرنے کے کیا قواعد ہیں؟

پھر یہ کہ ایک عبارت سے مطلب نکالنے کی متعدد صورتیں ہیں، ایک تو صاف صاف لفظوں سے مطلب نکلتا ہے، ایک اس کے عنوان بیان سے ظاہر ہوتا ہے، اس کے اشارات و کنایات سے کچھ سمجھا جاتا ہے، اس لئے اگر کوئی بات قرآن پاک کے لفظوں میں مذکور نہیں مگر اس کے عنوان بیان اور اشارات و کنایات سے مفہوم ہوتی ہے، تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قرآن میں نہیں۔

کیا جس طرح آج آپ کو قرآن پاک کی آیتوں کے نزول کے ماحول میں سینکڑوں برس کی دوری کے باوجود اس کے متعلق بیسیوں نکتہ آفرینیوں کا حق حاصل ہے، یہ حق خود اس کو حاصل نہ تھا، جس پر یہ قرآن اترا، اور جس کو اس کے تبیین اور تشریح کا حکم تھا؟

## تفاوت ذہن

فرض کیجئے کہ آنحضرت ﷺ پر قرآن میں یہ حکم نازل ہوتا ہے کہ ”صبح سے شام تک روزہ رکھو“ اب ایک شخص آکر پوچھتا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں نے بھولے سے کھالیا، کیا میرا روزہ صحیح ہوا؟ آپ نے فرمایا ہاں، بھول چوک معاف ہے، روزہ صحیح ہوا، اب سوال یہ ہے کہ آپ نے جو مسئلہ بتایا، اصولاً یہ قرآن کے اندر تو مذکور ہے مگر خاص روزہ کے حکم کے ساتھ مذکور نہیں، تو کیا کہا جائے گا کہ یہ

حکم قرآن کے اندر ہمیں اور یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔  
 لیکن میں دوسری بات کہتا ہوں نہ دنیا میں تمام انسان ایک ہی قابلیت  
 و ذہانت اور فہم کے نہیں ہوتے دیکھئے کہ آج آپ کو جو نکتہ آفرینیاں سو جھتی ہیں، وہ نہ  
 پہلے کسی کو سو جھیں اور نہ خود اس زمانہ کے بہت سے آدمیوں کو سو جھتی ہیں، قرآن  
 پاک ہر آدمی پڑھتا ہے مگر ایک صاحب علم کو اس کے لفظ لفظ سے جو حقائق و معارف  
 معلوم ہوتے ہیں وہ ایک عام آدمی کو نہیں معلوم ہوتے۔

### احادیث سے چارہ نہ تھا

جب یہ مسلم ہے کہ افراد انسانی کی عقلیں متفاوت ہیں، اور ان کے فہم  
 و ذہانت کے معیار مختلف ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت پر قرآن میں ایک حکم  
 نازل ہونے کے بعد اگر وہی یا اس سے بظاہر کسی قدر مختلف کوئی بات پیش آئے، یا کسی  
 صحابی کو یہ شک پیدا ہو کہ یہ واقعہ اس کلی حکم کے تحت میں ہے یا نہیں، تو اب وہ اپنی  
 مشکل کے حل کے لئے کیا صورت اختیار کرتے؟ ظاہر ہے کہ یہی ممکن اور موزوں  
 صورت ہو سکتی تھی کہ وہ صاحب وحی علیہ السلام سے آکر دریافت کرتے، پھر سوال یہ  
 ہے کہ جب وہ آکر پوچھتے تو آنحضرت صلعم کیا کرتے، خاموش رہتے، یا قرآن پاک کی  
 اس آیت کے ہقیہ الفاظ کو جن کے سمجھنے یا جس کو اپنی صورت واقعہ پر منطبق کرنے  
 میں ان کو شبہ پیدا ہو رہا ہے، دہرا دیتے یا یہ کرتے کہ جو مٹھی ان کے سامنے تھی، اس کو  
 سلجھا دیتے، اور بات صاف کر دیتے، ظاہر ہے کہ یہی آخر صورت قابل اختیار تھی، اب  
 ایسی حالت میں کیا ان صحابی کے لئے یہ ناجائز قرار دیا جاتا کہ اپنی صورت واقعہ کو دربار  
 رسالت میں اپنے سوال کو اور آپ کے جواب کو، کسی دوسرے کے سامنے بیان نہ  
 کرتے، یا اگر کسی دوسرے کو وہی صورت حال پیش آتی، تو اس کو وہی حل نہیں بتاتے،  
 کوئی معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس کو ناجائز اور ناروا نہیں کہہ سکتا، یہی صورت حال ہے،

جس کا نام اصطلاح میں ”حدیث“ ہے۔  
اس کو کسی مثال میں دیکھئے تو واضح ہو جائے گا قرآن پاک میں ہے کہ

خدا نے تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی  
ہیں اس کو اپنے اوپر حرام نہ کرو

لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتٍ مَّا حَلََّلَ  
اللَّهُ لَكُمْ سوره مائدہ 5:87

ایک صحابی آکر پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ (صلعم) میں چاہتا ہوں کہ شادی نہ کروں، بلکہ شادی کا جذبہ جن اسباب سے انسان میں پیدا ہوتا ہے، انہی کو کاٹ ڈالوں، آپ نے فرمایا، یہ جائز نہیں ہے، اس کے بعد قرآن پاک کی آیت مذکور پڑھی، جس تک ان صحابی کی نظر نہیں پہنچی تھی، تو کیا ان صحابی کے پوچھنے اور آپ کے جواب دینے کے واقعہ کو کسی سے میان نہ کیا جائے اور اگر کسی تابعی کے ذہن میں وہی سوال پیدا ہوتا ہو تو کسی صحابی کیلئے جائز نہ تھا کہ اس واقعہ کو اس کے سامنے دہرائے اور اس کے شک کو دور کرے، اگر یہ جائز تھا اور ہے تو اسی کا نام روایت حدیث ہے

## روایت سے چارہ نہیں

روایت سے دنیا میں کسی فن، کسی مذہب، کسی حکومت، کسی انسانی کاروبار کو کبھی بھی چھٹکارا نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ ہر انسان، ہر واقعہ، ہر تجربہ، اور ہر حادثہ کے وقت بذات خود موجود نہیں رہ سکتا، ایسی صورت میں غیر موجود اشخاص تک اس واقعہ تجربہ اور حادثہ کو پہنچانے کی روایت کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی، خواہ وہ زبانی ہو، یا تحریری ہو، یا ان لوگوں تک جو اس زمانہ کے بعد آئیں، پہنچانے کا ذریعہ روایت کے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں ہے، دنیا کے تمام فنون، مسائل، مختصرات، اور

واقعات و حوادث کی نقل اور علم اسی طرح دنیا میں عہد بہد پہنچا، اور پھیلا ہے، تو پھر کیا اسلام دنیا سے کوئی انوکھا واقعہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و فرامین و اقوال کو دوسروں تک یا آئندہ آنے والوں تک پہنچانے کا کوئی دوسرا ذریعہ تلاش کیا جاتا۔

آج کے یہ نئے مفسرین اور یہ جدید ”بانیان مذاہب“ یہ بالفرض اپنی امت کے امام اور مقتدا بن جائیں، تو ان کی ذاتی تحقیقات کاوشیں، نکتہ آفرینیاں ان کی امت کے ان افراد تک جو ان کے حلقہ درس سے دور ہیں، یا آج سے سینکڑوں بعد آئیں گے، پہنچانے کا تحریری یا زبانی روایت کے سوا، اور کیا ذریعہ ہوگا، خصوصاً اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ابھی کاغذ کی صنعت بھی اس ملک میں نہیں، لکھنے پڑھنے کا رواج بھی کم ہے، اور ڈاک، تار، برقی مشین، پریس، اور چھاپہ کی ایجاد کو ابھی ہزار برس باقی ہیں،

آج دنیا میں بڑی بڑی قوموں کی تاریخیں، بڑے بڑے علماء کے خیالات، پرانے مصنفین کی تصنیفات، ہم تک کس طرح پہنچی ہیں، خود قرآن پاک، ہم تک کس طرح پہنچا ہے، اسی تحریری یا تقریری روایت کے ذریعہ سے، فرق اگر ہے تو یہ ہے کہ قرآن پاک ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی روایت ہے، اور احادیث چند انسانوں کی، مگر ایسے انسان جن کا حال ہم کو معلوم ہے اور ان کا سلسلہ سند ہمارے پاس محفوظ ہے، اس لئے قرآن و حدیث میں جو فرق ہو سکتا ہے، وہ وثوق اور اعتبار کی زیادتی اور کمی کا اور قرآن و حدیث کے درمیان اس نسبت کو ہر مسلمان بلکہ ہر اہل حدیث تسلیم کرتا ہے۔

اس لئے جس طرح دنیا میں عام روایتوں کے صحیح یا غلط ہونے کی تنقید کے



اصول ہیں، وہی حدیث کی بھی تنقید کے اصول ہیں، ہم سے جب کوئی بات کہی جاتی ہے، تو ہم اس کو کس طرح جانچتے ہیں؟ اسی طرح نہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ میان کرنے والا کیسا ہے جس سے بیان کیا تھا، وہ کیسا تھا، جس وقت یہ واقعہ ہوا، وہ اس میں موجود تھا یا نہیں، جس شخص سے یہ بات منسوب کی جاتی ہے، اس کے عام حالات سے یہ بات لگتی ہوئی ہے یا نہیں، یہی چیزیں ہیں جن کا نام اصول حدیث ہے۔

## اسلام کی تاریخ مبرا ہو جائے گی

اسلام کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کے ایک ایک واقعہ، ایک ایک قول، اور ایک ایک حکم کو دنیا میں محفوظ رکھا، اور ان کے لئے متعدد اصول اور فن ایجاد کئے، اگر اسلام کے ان نئے محسنوں کے خیالات مان لئے جائیں، تو یہ کارنامہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے لعنت بن جائے گا، اور صحابہ سے لے کر آج تک و تمام اخیار و اکابر و ائمہ جن کی زندگیوں پر آج نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کو ناز ہے، وہ سب کے سب راست بازی اور صداقت کی بارگاہ سے راندہ لکھیں گے، کیا اسلام پر احسان ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے لیکر آج تک خلفائے راشدین، تابعین، ائمہ مجتہدین علمائے خیر تمام کے تمام اپنے استنباطات اور اجتہادات میں قرآن پاک کے بعد احادیث اور اقوال نبوی کی تقلید و اتباع کرتے رہے ہیں، لیکن اگر آج کے اجتہادات مان لئے جائیں تو لازم آئے گا کہ یہ سب کے سب نعوذ باللہ مشرک، انسان پرست اور کتاب اللہ کے تارک تھے، اور آج جو نئے مفسر اور نئے فقیہ بنے ہیں ان کے اقوال و اجتہادات و استنباطات کے سننے والے موحد، سچے دیندار اور کتاب اللہ کے سچے پیروں و عوام ہوں گے، اور یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ نعوذ باللہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن سخت ناکام رہا اور تیرہ سو برس تک اسی طرح ناکام رہا یہاں تک کہ ہندوستان کے ایک قطعہ میں کتاب اللہ کے چند ماہرین اسرار پیدا ہوئے جنہوں نے اصل اسلام کو دنیا میں آشکارا اور وہ کام کیا جو نہ خود رسول نے کیا نہ ابو بکر صدیقؓ نے کیا نہ عمرؓ فاروق نے کیا نہ عثمان غنیؓ نے کیا نہ علی مرتضیٰؓ نے کیا نہ دوسرے صحابہ اور تابعین نے کیا اور نہ دوسرے آئمہ مجتہدین سے ہو سکا اس کے بعد کوئی بتائے کہ قرآن کی عملی تصویر دنیا میں کبھی جلوہ گر تھی یا نہیں اگر تھی تو وہ کب اور اس کی تاریخ کہاں ملے گی اور اگر نہ تھی تو قرآن سے زیادہ ناکام صحیفہ آسمانی دنیا میں اور کون ہو گا کیا کسی مسلمان کی غیرت ایمانی اس خیال کو جائز رکھتی ہے؟

## احادیث کا کتنا حصہ قابل بحث ہو سکتا ہے

بہر حال آئیے غور کریں کہ احادیث میں کیا کیا ہے اور اس کے کتنے حصے پر بحث کی جاسکتی ہے احادیث کا بڑا حصہ درحقیقت تاریخی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے حالات، سوانح اور واقعات کی روایتیں ہیں ظاہر ہیں کہ یہ کوئی قابل بحث چیز نہیں یہ تاریخ کا اسی طرح حصہ ہے جس طرح دنیا کی اور تاریخیں ہیں فرق یہ ہے کہ یہ تاریخ کا ایسا مستند و معتبر حصہ ہے جس سے زیادہ معتبر اور مستند حصہ دنیا میں موجود نہیں مصر، ہندوستان، بابل، نینوی، سیریا، یونان و روم کس ملک اور کس قوم کی تاریخ ہے جو اس استناد اس اعتبار اس سلسلہ کے ساتھ محفوظ ہے اور جو تنقید روایت کے اصول پر ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہر سکتی ہے۔

۲۔ دوسرا حصہ اخلاق و حکم کا ہے جس میں عقل و حکمت کی عمدہ عمدہ باتیں مثلاً جھوٹ کی برائی، عدل کی تعریف، علم کی خوبی وغیرہ بیان کی گئی ہیں جن کی قرآن

کے علاوہ خود فطرت انسانی تصدیق و تائید کرتی ہے کیا یہ رد کے قابل ہیں؟

۳۔ تیسری چیز عقائد ہیں۔

اسلام کے ایک چھوٹے سے فرقہ کے سوا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ غالی ظاہر یہ \_\_\_\_\_ کے سوا کوئی اس کا قائل نہیں کہ عقائد کا ثبوت قرآن کے علاوہ کسی اور طور سے ہو سکتا ہے کیونکہ عقیدہ نام ہے یقین کا اور یقین کا ذریعہ صرف ایک ہے، اور وہ وحی اور اس وحی کا تواتر ہے اس لئے عقائد کا مبنی صرف قرآن پاک یا احادیث متواترہ ہیں، ظاہر ہے کہ احادیث متواترہ کا مطلق وجود نہیں، یا ایک دو سے زیادہ نہیں، ایسی حالت میں عام احادیث عقائد کا مبنی نہیں قرار پاسکتی ہیں، عموماً احادیث روایت احاد ہیں، اور ان کا ایک حصہ مستفیض ہے یعنی صحابہ کے بعد ان کے رلو یوں کی کثرت ہوئی ہے، اس لئے یہ روایتیں صرف قرآن پاک کی آیات کی تائید میں کام آسکتی ہیں، مستقلاً ان سے عقائد کا ثبوت حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ اب رہ گئے احکام، ان کے لئے مستفیض واحاد سب کچھ کار آمد ہیں، دنیا میں تمام عملی کاروبار اسی پر چل رہا ہے، ایک آدمی تنہا آپ کو آکر اطلاع دیتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو بلاتا ہے آپ بے چوں وچر اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں، کبھی سوال و جواب نہیں کرتے کہ اس نے بلایا بھی ہے، یا نہیں، ہاں اگر کسی قرینہ سے شک ہو تا ہے، تو سوال و جواب کر لیتے ہیں، یہی سب صورتیں احادیث میں بھی جاری ہیں، مثلاً اگر کوئی حدیث کسی دوسری زیادہ معتبر روایت کے خلاف ہو، قرآن کے خلاف ہو، یا اور کوئی بات اس کے مخالف نظر آئے، تو ایسے موقع پر یقیناً صاحب تحقیق کو حق ہے کہ اس پر حث کرے۔

## احادیث قرآن سے ماخوذ ہیں؟

بہت سے علمائے محققین کی طرح میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ احکام و اخلاق کے متعلق صحیح احادیث میں جو کچھ ہے، وہ تمام تر قرآن سے ماخوذ و مستنبط ہے اور چونکہ وہ خود صاحب وحی کا بتائید الہی و مخرج ربانی استنباط ہے اس لئے بشرط ثبوت وہ بھی یقینی اور واجب التعمیل ہے، قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام ”تبین“ کھولنا اور ”اراءت“ دکھانا ہے، اس موقع پر ہم کو بے شک یہ گلہ ہے کہ ہمارے علماء اور خصوصاً علمائے متاثرین نے اس حیثیت سے قرآن پاک کی خدمت کم کی، حالانکہ صحابہ اور آئمہ مجتہدین نے اپنے اجتہادات اور استنباطات میں ہمیشہ قرآن کو سب سے اول پیش نظر رکھا، لیکن انہوں نے فن کی حیثیت سے اس کو مستقل نہیں کیا، ان کا زمانہ تدوین فن کا نہ تھا یہ بعد کے لوگوں کا کام تھا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جس طرح کتب فتاویٰ کی سہولت نے لوگوں کو فقہ سے اور کتب فقہ کی سہولت نے حدیث سے باز رکھا، اسی طرح حدیث کی سہولت اور ابواب کی تقسیم نے لوگوں کو قرآن کی طرف رجوع کرنے سے باز رکھا کہ قرآن مجید میں ہر مسئلہ الگ الگ عنوانوں اور بابوں میں درج نہیں اس لئے لوگوں کو تلاش میں دقت ہوتی ہے، پھر قرآن سے استنباط کر لینا ہر عامی کا کام نہیں، علماء میں سے جنہوں نے احکام القرآن پر کتابیں لکھیں، انہوں نے بھی تفسیری ترتیب کو چھوڑ کر فقہی ترتیب کو اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے جو مشکل لوگوں کو قرآن کی طرف رجوع ہونے سے پہلے پیش آتی تھی، وہ پھر باقی رہی، بہر حال ضرورت ہے کہ ان عقائد القرآن اور اخلاق القرآن پر ہمارے علماء مفصل کتابیں لکھیں، آج بھی جو لوگ قرآن پاک کے ساتھ شغف کا اظہار کر رہے ہیں، اور قرآن ہی کو صرف جھٹ جانتے ہیں، وہ بجائے اپنے موجودہ طرز عمل کے قرآن و احادیث کے باہمی تعلق و ارتباط پر اس نظریہ کو سامنے رکھ کر کام کرتے، تو اسلام

کے لئے کتابِ بڑا عظیم الشان کا نامہ انجام دیتے، مگر افسوس ہے کہ اس کے جائے اور بھی تفریق و انتشار کا باعث ہو گا، جس کی مثالیں چند ہی سال میں پنجاب کے مختلف اضلاع میں نظر آتی ہیں۔

بہر حال اس غلط طریقہ کے سوا ایک اور غلط بحث بھی ہو رہا ہے۔

## حدیث و سنت میں فرق

آج کل لوگ عام طور سے حدیث و سنت میں فرق نہیں کرتے، اور اس کی وجہ سے بڑا مغالطہ پیش آتا ہے، حدیث تو ہر اس روایت کا نام ہے، جو ذاتِ نبوی کے تعلق سے بیان کی جائے، خواہ وہ ایک ہی دفعہ کا واقعہ ہو یا ایک ہی شخص نے بیان کیا ہو، مگر سنت دراصل عمل متواتر کا نام ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل فرمایا، آپ کے بعد صحابہ نے کیا، پھر تابعین نے کیا، گو یہ زبانی روایت کی حیثیت سے متواتر نہیں، مگر عملاً متواتر ہے، اسی طرح یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک واقعہ روایت کی حیثیت سے مختلف طریقہ سے بیان کیا گیا ہو، اسلئے وہ متواتر نہ ہو مگر اس کی عام عملی کیفیت متواتر ہو، اس متواتر عملی کیفیت کا نام سنت ہے۔

فرض کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی فرضیت کے بعد تمام عمر دن میں پانچ دفعہ پڑھتے رہے، آپ محمد تمام صحابہ کا یہی طرز عمل رہا، یہی تابعین کا رہا، اور یہی روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا رہا، ان کا بھی جو بخاری و مسلم کے وجود سے پہلے تھے، اور ان کا بھی جو اس کے بعد پیدا ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پانچ وقت کی نماز اصطلاحی روایت متواترہ سے ثابت ہو یا نہ ہو، لیکن عمل متواترہ سے بلا شک و شبہ ثابت ہے، تیرہ سو برس زائد سے آج تمام دنیا کے مسلمان جن کے عقائد، اعمال، خیالات، اخلاق، زبان، تمدن، وطنیت اور زمانہ میں بے حد اختلاف اور تفاوت ہے، تاہم اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور آپ کے اصحاب دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھا کرتے تھے، فلاں فلاں اوقات میں پڑھا کرتے تھے، اور فلاں فلاں ارکان کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، یہ تو اتر عملی ہے، جس کا انکار مکابرہ ہے۔

کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان پانچ اوقات کا تعین اور اس طرح طریقہ نماز بخاری یا مسلم یا ابو حنیفہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم کی وجہ سے مسلمانوں میں رواج پذیر ہے۔ یہ وہ عملیت ہے جو اگر بخاری یا مسلم دنیا میں نہ بھی ہوتے تو بھی وہ اسی طرح عملاً ثابت ہوتی، اگر دنیا میں بالفرض احادیث کا ایک صفحہ بھی نہ ہوتا تو بھی وہ اسی طرح جاری رہتی، احادیث کی تحریر و تدوین نے اس طرز عمل کی ناقابل انکار تاریخی حیثیت ثابت کر دی ہے، تو کیا پھر اس بنا پر کہ اس عملی کیفیت کو دوسری یا تیسری صدی کے کسی محدث نے الفاظ و تحریر میں قلم بند کر دیا، وہ تو اتر حد اعتبار سے گرمیا؟

## عملی روایت میں اختلاف

اس موقع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض عملی روایات میں بھی تو اختلاف ہے، روایتوں میں ہے کہ آپ یا صحابہؓ رفع یدین کرتے تھے، بعض میں ہے کہ نہیں کرتے تھے، بعض میں ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھتے تھے، دوسری روایت میں ہے کہ ناف پر ہاتھ باندھتے تھے، ایک میں ہے کہ آئین زور سے کہتے تھے، دوسری میں ہے کہ آہستہ کہتے تھے، آپ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں عملاً کیونکر درست ہو سکتے ہیں، میرا جواب یہ ہے کہ اس مشکل کے حل کی بھی وہی تدبیر ہے جو دنیا کے دوسرے روایتی واقعات کے حل میں اختیار کرتے ہیں اگر آپ کے سامنے کسی نادیدہ واقعہ کے متعلق دو قسم کی مختلف روایتیں آتی ہیں، تو آپ کیونکر فیصلہ کرتے ہیں؟ یہی کرتے ہیں کہ دیکھتے ہیں کہ ان دونوں بیان کرنے والوں میں سے کون زیادہ معتبر اور ثقہ ہے؟ یا کس کا بیان

دوسرے یقینی حالات و واقعات سے زیادہ قرین قیاس ہے یہی صورت ان احادیث میں بھی ہے، جتنا حصہ ان عملی روایات کا ایسا ہے جو بلا ادنیٰ اختلاف ثابت ہے، وہ یقینی اور ناقابل رد ہے، اور جتنا حصہ مختلف فیہ ہے اگر ان مختلف پہلوؤں میں کوئی ایک پہلو اصولاً اور قیاساً زیادہ معتبر ہے اس کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر سب پہلو برابر ہیں تو یہ مان لینا چاہیے کہ ان مختلف طریقوں میں جس طرح بھی کیا جاتا ہے وہ صحیح ہے۔

فرض کیجئے نماز کے متعلق پانچ اوقات کے عمومی تعین، نمازوں کی تعداد، نمازوں کی عام ہئیت یعنی قیام، رکوع، سجود، اور حالت قیام قرآن پڑھنے میں اور دوسرے ارکان میں تسبیح و تہلیل کہنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے یہ عملی متواتر ہے اور اس میں کوئی شبہ اور شک نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ بات کہ رفع یدین کیا جائے یا نہ کیا جائے، آمین زور سے کہی جائے یا آہستہ، دو وقت کی نماز ایک وقت میں کب اور کہاں پڑھی جاسکتی ہے ان کے متعلق اگر اختلاف ہے تو تحقیق کرنی چاہیے کہ ان میں سے غالب پہلو کس طرف ہے، اگر آپ کو اس کا پتہ لگ سکے، تو اس کو اختیار کیجئے ورنہ یہ سمجھ لیجئے کہ دونوں طرح سے جائز ہے، اور ان میں سے جو پہلو بھی کوئی اختیار کرے اس پر ملامت نہیں ہے

## سنت کی حقیقت

اس تفریق سے معلوم ہو گیا کہ سنت اور حدیث میں عظیم الشان فرق ہے حدیث محض روایت کی حیثیت کا اور سنت اس کے عملی توازن کا نام ہے، احادیث گو چھوڑ کر قرآن پاک کی بھی یہی صورت ہے قرآن پاک کا حکم ہے کہ نماز پڑھو ”اقیموا الصلوٰۃ“ اور اس کی تفصیلات بھی جا بجا بتادیں، انہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر بتادیا اور فرمایا ”صلُّوْا کما راء یتمونٰی“ اس طرح نماز پڑھو، جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا، آنحضرت ﷺ تمام عمر اسی

طرح پڑھتے رہے، قرآن پاک کے الفاظ کی جو عملی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی، وہی سنت ہے، اور یہ گویا قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، جس کا مرتبہ احادیث کے لفظی روایات سے بدرجہا بلند ہے، سنت کے علاوہ اسی مفہوم کے لئے قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے دوسرے الفاظ کا بھی استعمال کیا ہے مثلاً سبیل اور اسوہ وغیرہ، مگر ان سب کے معنی چلے ہوئے راستہ اور پیروی کے ہیں، یعنی وہ راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھی چلے تمام صحابہ چلے اور اکابر امت چلے، وہ سنت ہے، سبیل ہے، طریق ہے، اور اسوہ ہے، اور یہی وہ مفہوم ہے جس کے لئے امام مالک نے موطا کا لفظ ایجاد کیا، اور اپنے مجموعہ روایات کا نام رکھا، موطا کے لفظی معنی پامال اور روندنے کے ہیں، یعنی وہ پامال اور روندنا ہوا راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ گذرے یہی راستہ عملی اسلام کا ہے اور وہی قرآن کی صحیح عملی تفسیر ہے۔

## کتاب و سنت

احادیث میں اکثر کتاب و سنت کا لفظ ساتھ ساتھ آیا ہے خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبوں میں ہے کہ ”تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جیلانہ و طمانہ“ کتاب اللہ اور اپنی سنت“ اس حدیث کی تشریح میں سنت سے مقصود ہر لفظی روایت اور عن عن کی حدیث نہیں ہے بلکہ آپ کا عمل متواتر اور موطا طریق ہے، جو قرآن پاک کی صحیح تفسیر و تشریح ہے،

## سنت اور بدعت

آپ نے دیکھا کہ سنت کی حقیقت کیا ہے اور احادیث میں جس سنت کے اتباع کی بار بار تاکید آئی ہے، وہ کیا چیز ہے اور ”علیکم بسنتی“ میرا طریقہ اختیار کرو،



بعض امور کے متعلق من سنتی میرا طریقہ کہنا، بعض چیزوں کے متعلق اصبت السنۃ تم نے سنت کو پالیا کہنے کا کیا مفہوم ہے،

اسی سنت کا مقابل بدعت ہے، جس کے معنی نئی بات کے ہیں، اور ہمیشہ سنت اور بدعت یہ دونوں لفظ مقابل اور ضدین کی حیثیت سے بولے جاتے ہیں، کیونکہ سنت کے معنی ہیں وہ طور طریق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اور بدعت کے معنی ہیں اس کو چھوڑ کر اور اس سے الگ ہو کر اپنے لئے کوئی نئی راہ عمل اختیار کرنا، اسی لئے پہلی چیز ہدایت اور دوسری ضلالت ہے۔

## کیا سنت عبرانی لفظ ہے؟

اردو کے اسی سابق الذکر رسالہ میں اسی سابق الذکر مضمون نگار نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ سنت کا لفظ عبرانی ”مسنۃ“ سے نکالا ہے، یہودیوں نے توراۃ کو چھوڑ کر اس قسم کے مجموعہ روایت کو اپنا لیا تھا، جس کو وہ مسنۃ کہتے تھے، اسی طرح مسلمانوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کو اپنا لیا تھا، اس کا نام بھی اسی لفظ مسنۃ سے لیکر سنت بنا لیا ہے۔

افسوس ہے کہ یہ تحقیق انیق ہر قسم کے اندرونی و بیرونی اسلامی وافرنگی، عربی و عبرانی تحقیقات کی نکال سے باہر ہے، اور ایسا دعویٰ کرنا اہل علم کی نگاہوں میں اپنی حقیقت کو عریاں پیش کرنا ہے۔

عبرانی لفظ مسنۃ ”نس“ سے نہیں ہے، بلکہ ”ث“ سے ہے، یعنی ثنۃ جو عربی میں شئی اور اثنین اور تثنیہ کی صورت میں ہے، اس کے لفظی معنی دو کے ہیں، اور یا مکرر اور دہرائے ہوئے کے ہیں، ثنۃ تورات کی پانچویں کتاب کا نام ہے، جس کو آج کل عربی میں ”تثنیہ“ کہتے ہیں، اور غلطی سے اس کا ترجمہ استثناء کر دیا گیا ہے

انگریزی میں اس کا ترجمہ ڈیوٹرو نومی ہے، جس کے لفظی معنی وہی مثنیٰ اور مکرر کے ہیں، تورات کے وہ وہ قوانین جو پچھلی کتابوں میں مذکور ہیں، اس کتاب میں ان کو ایک نئی ترتیب کے ساتھ مرتب اور مدون کر کے پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کا نام شہادہ تہمیدہ، یا مثنیٰ اور مکرر کہا گیا، خود قرآن پاک نے اپنے اوپر شہادہ کی جمع مثنائی کا اطلاق متعدد آیتوں میں کیا ہے، غور کیجئے کہ اس شہادہ کے لفظ کو سنت سے کیا تعلق ہے، شہادہ کوئی ایسا لفظ نہیں جو علمائے سلف اور لغویین عرب کو معلوم نہ ہو، لسان العرب، صحاح جوہری، مجمع البحار، فتنی سب میں یہ لفظی مثنیٰ کے تحت میں مذکور ہے، اور اس کے معنی لکھے ہیں اور اس پر تھوڑی سی بحث کی ہے، سنت خالص عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے لفظی معنی راستے کے ہیں، لیکن بول چال میں اس کے معنی، اس طریقہ عمل کے ہیں جس پر ہمیشہ کوئی عمل جاری رہے قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے۔

قد مَضَّتْ سُنَّةُ الْاَوَّلَیْنَ      گزشتہ قوموں کا طریق عمل گزر چکا ہے  
(انفال)      8:38

اَلَا اِنْ تَاْتِیْهِمْ سُنَّةُ الْاَوَّلَیْنَ      لیکن یہ کہ گزشتہ قوموں کا طریق عمل ان  
(کھف)      18:55

سَنَةِ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا      ان لوگوں کا طریقہ عمل جن کو ہم نے تم سے  
قَبْلُكَ      8.77 (اسرائیل)      پہلے رسول بنایا

سنتہ اللہ کا لفظ قرآن مجید میں اس معنی میں کئی دفعہ آیا ہے

خدا کے طریق عمل میں تم تبدیلی نہ پاؤ  
گے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا  
(سورۃ فتح) 48:23

خدا کے طریق عمل میں تم تغیر نہ پاؤں  
گے

33: 62 (سورۃ احزاب)  
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا  
(فاطر) 35:43

کیا اس سے بھی زیادہ ہم کو اپنی شہادت کیلئے کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔

### سنت اور بدعت کا معیار

مسلمانوں میں اختلاف کا آغاز قرن اول ہی سے ہو گیا تھا، لیکن غور سے دیکھئے کہ یہ اختلاف زیادہ تر نظریات و آراء کا تھا، جن کو عمل سے تعلق نہ تھا، کیونکہ غیر مادی، غیر محسوس امور کے متعلق کوئی محسوس و مادی عملی شہادت پیش نہیں کی جاسکتی تھی، مثلاً یہ کہ خلافت مسلمانوں کے مشورے سے ہے، یا نص الہی سے ہے، یہ شیعہ اور اہل سنت کے درمیان سب سے اہم بحث ہے، یا یہ کہ قیامت میں دیدار الہی ان ظاہری آنکھوں سے ہوگا یا نہیں؟ یہ ایک معرکہ الآراء، اختلافی بحث معقولہ اور اشاعرہ و ماتریدہ کے درمیان میں ہے، لیکن یہ تمام اختلافات نظریاتی حیثیت رکھتے ہیں، ان مسائل میں جن کی حیثیت عملی، مادی اور محسوس تھی، مسلمانوں میں کوئی بڑا اختلاف کبھی پیدا نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر عملی سنت سب کے پیش نظر تھی، اور یہ اسلام کا سب سے بڑا امتیاز تھا، رفع یدین، آمین بالجہر، وضع ید علی الصدر، قراءت فاتحہ خلف الامام کی بحث اگر فریقین کا غلو اور تعصب علیحدہ کر دیا جائے تو یہ صرف افضلیت کی بحث رہ جاتی ہے جو زیادہ اہم نہیں۔

یہ ہر مذہب کا اصول کلی ہے، خصوصاً اسلام کا اور فطرتاً ایسا ہی ہونا بھی چاہئے کہ

ہر مذہب کا بھڑین عہد اور دور وہ ہوتا ہے، جو خود صاحب مذہب کا مبارک زمانہ ہوتا ہے، اس کے بعد اس کے جانشینوں اور صحبت یافتوں کا، پھر رفتہ رفتہ اس میں ضعف ہوتا جاتا ہے، اور اس کے مذہب کا قوام بگڑتا جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اصل مذہب نہیں بلکہ وہ ہے، قرآن کا یہ حکم نہیں بلکہ وہ ہے تو اس کا فرض ہے کہ رسول کے مبارک عہد میں جو طرز عمل اس کو نظر آتا ہے، اس کو اصل مذہب کا معیار قرار دے، اور جو چیز اس عہد میں نظر نہیں آتی، اور بعد کو وہ شامل ہو جاتی ہے، اس کو مذہب سے خارج یعنی بدعت قرار دے، اس اصول کی بنا پر جو بالکل واضح ہے، ہر اوس شخص کا جو اسلام کے اصلی پیکر کی جلوہ آرائی کا مدعی ہے اور قرآن کی صحیح تعلیم کو آج دنیا میں پیش کرنا چاہتا ہے، یہ فرض ہے کہ وہ اس اصلیت اور اس صحیح تعلیم کے خدوخال اس عہد مبارک کی عملی زندگی میں دکھائے، اور یہ بتائے کہ آج جو غلطیاں اس کو نظر آتی ہیں، وہ اس وقت نہ تھیں، بلکہ بعد کو اسلام میں داخل ہو گئی ہیں، مثلاً یہ بتائے کہ اس عہد مبارک میں صرف دو وقت یا تین وقت کی نماز تھی، بعد کو بخاری و مسلم و ابوداؤد و مرتب ہوئیں تو مسلمانوں میں پانچ وقتوں کی نماز کا رواج ہوا، پہلے اس طرح نماز پڑھی جاتی تھی، بعد کو اس میں فقہاء اور محدثین نے یہ اضافہ کر دیا، اگر یہ ثابت نہیں ہو سکتا، اور یقیناً ثابت نہیں ہو سکتا، تو یہی ماننا پڑے گا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نعمو ذباللہ) اپنے زمانہ میں اپنی وحی کے سمجھنے میں غلطی کی، اور اب اس کو ہندوستان کے گجی اپنی معمولی صرنی و نحوی لیاقت سے درست کر رہے ہیں، کیا کوئی مسلمان بلکہ انسان بھی ایسا احقانہ دعویٰ کر سکتا ہے؟

# پھر بحث سنت

## کچھ اور اختراعات والزمات

(۱)

دوستوں کو یاد ہو گا کہ اگست ۲۹ء کے معارف میں ایک صاحب (۱) کے جواب میں ”سنت“ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا تھا جس میں مدعی مذکور کے اس خیال کی تردید کی گئی تھی کہ سنت اور زبانی روایات یا حدیث ایک چیز ہیں اور اس کے اس اختراع کی غلطی ظاہر کی گئی تھی کہ مسلمانوں کا لفظ ”سنت“ ”یہودیوں“ کے لفظ ”مسناة“ سے ماخوذ ہے جو یہودیوں کے ان زبانی روایات کے مجموعہ کا نام ہے جو سنہ عیسوی سے پس و پیش زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس بعد مرتب ہوا تھا۔

اسی مضمون سنت کے چھپنے کے بعد مدعی مذکور نے پہلے خط و کتابت کے ذریعہ سے سوال و جواب کیا اور اس کے بعد ایک طویل مضمون اپنے مدعا کے اثبات اور

میری تردید میں چھپوایا، جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے، اس کے جواب میں انشاء اللہ کو تابی نہ ہوگی، لیکن موصوف کے مضمون کے لب و لہجہ اور طرز و انداز کے جواب کی توقع کم از کم معارف میں نہ رکھنی چاہیے۔

مجھے یہ ظاہر کرنے میں خوشی ہے کہ معارف کے اس مضمون سنت کو اللہ تعالیٰ نے توقع سے زیادہ کامیابی بخشی، موافقین کے علاوہ بعض مذہب دوستوں کے شکوک بھی اس سے دور ہوئے۔

مگر افسوس ہے کہ اصل مخاطب کو اس سے تشفی نہیں ہوئی، بلکہ اپنی غلطی یا غلط فہمی پر ان کا اصرار اور بڑھ گیا، موصوف کو میرے انگریزی نہ جاننے پر تاسف ہے، یہ تاسف مجھے خود بھی ہے، مگر ان کی تسلی کے لئے بطور اظہار واقعہ یہ امر ان پر ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی آرزو کے مطابق میں کم از کم اتنی انگریزی جانتا ہوں کہ انسائیکلو پیڈیا کے تاریخی و مذہبی مضامین پڑھ اور سمجھ سکوں، انہیں اس کا اطمینان رکھنا چاہیے، اور یہ بات ان کو میری اس تصنیف (ارض القرآن) کو پڑھ کر سمجھ لینی چاہیے تھی، جس کی ابھی انہوں نے اپنے والا نامہ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۳۰ء میں تعریف و توصیف کی ہے، اور اپنے مضامین میں اس سے سر قہ کا ”خلوت“ اعتراف جاکیا ہے، اور ناظرین بھی ان کے مضامین ”قرآن مجید و آثار قدیمہ“ اسلامک ریویو اور اشاعت اسلام میں دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مضمون زیر بحث میں دو قسم کی خٹیں ہیں، ایک لفظی اور دوسری معنوی دونوں بحثوں کو علیحدہ کر دینا ہے، تاکہ مسئلہ صاف ہو جائے۔

## مسئلات اور سنت

لفظی بحث یہ ہے کہ ہمارے دوست کا دعویٰ ہے کہ یہود اپنی زبانی روایات کو ”مسنا“ اور مسلمان اپنی زبانی روایات کو ”سنت“ کہتے ہیں، مسلمانوں کا یہ عربی لفظ

”سنت“ یہودیوں کے عبرانی لفظ ”مسناء“ سے ماخوذ ہے، دونوں بالکل ایک لفظ ہیں، اور ہم معنی ہیں۔

میں نے اگست ۲۹ء کے معارف میں مدعی کی اس تحقیق سے اختلاف کیا، اور ثابت کیا کہ اولاً عبرانی لفظ ”مسناء“ ”س“ سے نہیں بلکہ ”ث“ سے ہے، یعنی ”مسناء“ اور دوم اس کے معنی عبرانی میں دوسرے، دوہرانے اور اعادہ و تکرار کے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس کا اطلاق موسیٰ کی پانچویں کتاب پر ہوتا ہے، جس کو یونانی ڈیٹرونوی کہتے ہیں جس کے معنی دوسرے اور دوسرے قانون کے ہیں، اور عبرانی میں اس کو مشاکما جاتا ہے اور عبرانی میں مشاکما کہتے ہیں، اور آج کل تھینتہ الاشتراع (دوبارہ قانون سازی) کہتے ہیں اور ان سب کا ماخذ عبرانی میں ”مشاکما“ اور عربی میں ”ثنی“ اور ان دونوں کے معنوں میں دونوں زبانوں میں دو، دوم اور دوہرانے کا مفہوم ہے اور سنت خالص عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی راستہ اور طریق کے ہیں، اور اصطلاح میں اس کے معنی وہ طریق ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر قائم رہے، اس کے معنی زبانی روایات کے نہ لغوی ہیں نہ اصطلاحی، اس لئے عبرانی ”مسناء“ اور عربی سنت میں کوئی باہم مشارکت و مماثلت نہیں اور نہ عربی سنت عبرانی مسناء سے ماخوذ ہے۔

ہمارے مخاطب اول نے اس مضمون کو پڑھ کر 5 دسمبر 1929ء کو مجھے خط لکھا کہ ”تمہاری تحقیق غلط ہے، ڈوٹرونوی کے لئے مسنا (س) لفظ ہے، اور مشاکما بالکل جداگانہ لفظ ہے،“ میں ”ایک سے زائد یہودی معلمین سے اس لفظ کی تحقیقات کر چکا ہوں، اور اس کی تائید انسائیکلو پیڈیا، مائیکا سے بھی مل سکے گی“

”اگر اس کے معنی آپ سنت سے علیحدہ دکھائیں تو میں ہارمان لوں“

میں نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا اس کا مطلب یہ تھا کہ مشاکما تورات کی پانچویں کتاب پر بھی اطلاق کیا گیا ہے، اور تالمود کے ایک حصہ کا نام بھی ہے، یہ کوئی اہم

نقطہ اختلاف نہیں ہے بلکہ اصل چیز ”شنا“ کے معنی ہیں، ساتھ ہی میں نے اطلاع دی کہ ”شنا“ کے معنی تعلیم اور سکھانے کے بھی ہیں، انہوں نے اس کے ماننے سے بھی انکار کیا، اور لکھا کہ تم کو تالمود کے معنی سے دھوکا ہوا ہے، جس کے معنی واقعا تعلیم اور سکھانے کے ہیں، اب اس تازہ مضمون میں ہمارے دوست نے پھر اپنی پرانی تحقیق کو بہت فخر و ناز کے ساتھ دہرایا ہے، مگر صرف دہرایا ہی ہے، کوئی دلیل یا حوالہ نہیں درج فرمایا ہے۔

اب نقطہ اختلاف دو ہیں۔

1- کیا تورات کی پانچویں کتاب کو بھی عبرانی زبان میں شنا کہتے ہیں۔

2- کیا سنت اور شنا ایک ہیں۔

## شنا تورات

تورات کی پانچویں کتاب کو میرے ”شنا“ کہنے پر مدعی نے مضحکہ اڑایا ہے اور فرمایا ہے کہ ”ایک یہودی چہ بھی اس کو سن کر ہنس دے گا“ مگر میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ تحقیق کا راستہ مضحکہ سے مراحل دور ہے، تورات کی پانچویں کتاب کا نام ”قانون ثانی“ اس لئے رکھا گیا ہے کہ قانون اول کے بعد دریائے اردن کے اس پار حضرت موسیٰؑ نے اس کو دوبارہ بیان کیا، جیسا کہ اس کتاب کے آغاز میں تحریر ہے، اس کا عبرانی نام ”الوہی دہران“ بھی ہے، مگر بعد کو شاید مصر کے ترجمہ سبعینی کے وقت سے اس کا نام ”شنا تورات“ مشہور ہو گیا، جس کے معنی ”قانون دوم“ کے ہیں، اسی لئے یونانی اور اس سے یورپ کی زبانوں میں اس کا نام ”ڈیونرونومی“ یعنی دوسرا قانون پڑا، اور اسی لئے پرانی عربی میں ”شنا“ اور نئی عربی میں اس کا نام تھیئہ الاشتراع ہے، یعنی ”دوبارہ قانون بنانا“ بہر حال ان سب کے معنوں میں دو، دوم اور دہرانے کا مفہوم



داخل ہے، جس سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ توراۃ کی اس کتاب کے لئے جس شاکا لفظ بولا جاتا ہے، وہ ”ش“ سے ہے ”س“ یا ”ث“ سے نہیں، جیسا کہ مدعی کا دعویٰ ہے، کیونکہ دو اور دوم کے لئے جو عبرانی مادہ ہے وہ ”ثا“ ہے۔

حوالوں کے لئے سب سے پہلے ”ڈکشنری آف بائبل“ (مرتبہ جیمس ہسٹیچر وغیرہ) جلد اول ص 596 مطبوعہ 1900ء ملاحظہ فرمائیے، جس میں لکھا ہے کہ اس کا نام ڈیوٹر ونومی عبرانی الفاظ ”مشا توراۃ“ کا ترجمہ ہے، جس کے معنی نسخہ ثانیہ کے ہیں، اس کے بعد انگریزی کی مشہور ڈکشنری ویبیکٹر انٹرنیشنل میں لفظ ڈیوٹر ونومی دیکھئے اس میں ہے۔

”ڈیوٹر ونومی اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ موسیٰ کے قانون کا دہراؤ (یا اعادہ ہے) اب عبرانی لغت میں دیکھ لیجئے کہ دہرانے اور دوسرے اور دوبارہ کرنے کے لئے لفظ ثا ہے سنایا شنی یا شہ نہیں ہے، جیسا کہ ہمارے محقق دوست ہم کو باور کرانا چاہتے ہیں، جیسا کہ آگے بتفصیل معلوم ہو گا۔

میرے مضمون سنت کی اشاعت کے بعد موصوف نے 5 دسمبر 1929ء کو جو خط مجھے لکھا تھا اس میں ارقام فرماتے ہیں۔

”شہ جس کے معنی ڈوٹر ونومی کے صحیح لئے ہیں، وہ ثا سے بالکل جدا لفظ ہے“ اور اس کا تلفظ مناسب ہے۔

اب موصوف اپنے تازہ مضمون میں ڈوٹر ونومی کے لئے ہم کو لفظ شنی دیتے ہیں، ع کہ یہ حکم رہے کہئے وہ ارشاد رہے

اگر آپ کے کہنے سے توراۃ پنجم کے لئے مناسب مانا جائے تو تالمود کے لئے بھی تو آپ نے مسا اور مساۃ ہی تلفظ پہلے مضمون میں لکھا ہے، اب یہ التباس کیونکر دور ہو گا۔

آپ میرے قول کی تکذیب کے لئے توراۃ پنجم اور حصہ تالمود دونوں کے درمیان فرق مسا اور مشنا یا شہ یا شنی کہہ کر لاکھ پیدا کیجئے سب محکمہ تحقیق کے سامنے رد ہو جائے گا، دونوں لفظ قرشت والی ”ش“ منقوط سے ہیں، اس غیر منقوط یا ش منقوط سے ان میں کوئی لفظ نہیں پڑتا اور ش کا حرف تو عبرانی میں سرے سے موجود ہی نہیں، اس لئے شہ یا شنی تو عبرانی میں ہو ہی نہیں سکتا۔

اب ہمارے دوست غور فرمائیں کہ کس کی تحقیق پر ”ایک یہودی چہ بھی ہنس دے گا“ در سفالین کا سہ رنداں خواری منگرید۔  
کایں حریفان خدمت جام جہاں ہیں کردہ اند

### مشنا، مسنا اور سنت

بہر حال یہ مسئلہ کہ مشنا تالمود مراد ہے یا مشنا توراۃ ایک ضمنی بحث ہے، اصل سوال یہ ہے کہ کیا عبرانی ”مسنا“ اور عربی سنت ایک چیز ہے۔

اس سلسلہ میں ہم اپنے محقق دوست کی ایک دلچسپ لفظی تحریف کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں، اصل عبرانی لفظ مشنا (ش منقوط) ہے جیسا کہ میرے ٹوکنے پر اب اس دوسرے مضمون میں انہوں نے استعمال کیا ہے، مگر پہلے مضمون میں اس کا عبرانی تلفظ ”مسنا“ بتایا تھا اور یہ اس غرض سے تاکہ سنت اور مسناۃ میں س ”سن“ اور ”ہ“ کا اشتراک ہو جائے اور یہ دعویٰ آسانی ثابت ہو جائے کہ سنت اور مسناۃ ایک ہیں، اور اب جب انہیں معلوم ہوا کہ عبرانی کا حرف ش اس ان کے سوا کوئی اور بھی ہے، تو مجبوراً اس کے لئے دوسرے مضمون میں (مشناس) منقوط سے بولے، یا بلج!

میں نے اپنے سنت والے مضمون میں یہ دکھایا تھا، اور پھر باعلان دعویٰ کرتا ہوں کہ سنت اور مشنا میں کوئی لفظی یا معنوی وابستہ نہیں ہے، مشنا کے معنی اگر بقول ان

کے زبانی روایات کے ہیں، تو سنت کے معنی عربی میں طریق درویش اور راستے کے ہیں قرآن میں سنت کا لفظ انہی معنوں میں بار بار آیا ہے احادیث میں انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور لغت اور اشعار عرب میں بھی ان ہی معنوں میں یہ لفظ لا گیا ہے قرآن پاک میں ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا، کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم خدا کی ”زبانی روایتوں“ میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے، یا یہ معنی ہیں کہ تم خدا کے طریق اور طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے؟

احادیث میں ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا، کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی اچھی ”زبانی روایت“ کرے گا تو اس کو اس قسم کی نیکیاں ملیں گی، یا یہ معنی ہیں کہ جو شخص کوئی اچھا اور پسندیدہ راستہ یا طریقہ نکالے گا تو اس کو بھی اس کی نیکیاں ملتی رہیں گی،

مشہور حدیث ہے اِنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نکاح

میری زبانی روایت ہے یا یہ معنی ہیں کہ نکاح میرا طریقہ ہے، اشعار عرب میں ہے۔

وَأَن الْإِنِّي بِالطُّفِّ مِنْ آلِ هَاشِمٍ تَاسُوا فَنَسُوا لِلْكَرَامِ التَّاسِيَا  
(آل ہاشم وہ جو طف میں ہیں، انہوں نے باہم غمخواری کی، تو غم خواری کو شریفوں کا طریقہ بنادیا)

”سنو“ کے معنی یہاں عملی طریق و روش و طرز عمل کے ہیں، یا زبانی روایت کے، زبانی روایت کے معنی ہو بھی سکتے ہیں اور بن بھی سکتے ہیں؟

یہ تو عربی زبان کی تحقیق ہوئی، اب آئیے عبرانی زبان کی خانہ تلاشی کی

جائے ”مشنا“ کے معنی ”زبانی روایات“ کے ہیں؟ اس بارے میں میں نے پہلے جو لکھا تھا اس کو دہرا دیتا ہوں کہ یہ وہی لفظ ہے جو عربی میں غنی، مشیہ، غنی وغیرہ کی صورت میں ہے، اور اس کے معنی دہرانے دوبارہ کرنے اور دوسرا ہونے کے ہیں، مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ اس کے معنی ”زبانی روایات“ کے ہیں، میں سو اس کے اور کیا کہوں۔

صیاد غنی ولا تو بنجر مکن چیزے کہ نخواندہ تو تفسیر مکن  
ان کی تفسی کے لئے ان کے حسب مشورہ میں سب سے پہلے یورپ کے عملی صحیفہ کو پیش کرتا ہوں جس پر ان کا ایمان شاید تمام دوسرے مشرقی صحیفوں سے زیادہ ہو انسائیکلو پیڈیا طبع یازد ہم کے مضمون تالمود کے شروع میں (جلد 26، صفحہ 380) ہے۔

”تالمود (عبرانی میں: سیکھنا سکھانا) مشتمل ہے، مشنا پر (عبرانی میں (زبانی)

دہرانا

پھر اسی کتاب کے اسی ایڈیشن (یازد ہم) کی جلد 13 صفحہ 107 مضمون ہیرو (عبرانی) کے ضمن میں ہے۔

”مشنا کا نام عبرانی لفظ ”شنا“ سے مشتق ہے، جو آرمی لفظ ”شنا“ سے مطابقت ہے اور اسی لئے یہ شاتک کتاب کے لئے موزوں ہے، جس کے معنی زبانی قانون کے دہرانے یا سکھانے کے ہیں۔

ان دونوں اقتباسوں سے ظاہر ہے کہ اس کے اصلی معنی دہرانے یا سکھانے کے ہیں، لفظ زبانی یا زبانی قانون کا اضافہ، اگر کسی نے کر دیا ہے، تو وہ لغت کی حیثیت سے نہیں، بلکہ صرف وجہ تسمیہ کی مناسبت دکھانے کے لئے خارج سے اضافہ کر دیا گیا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ نام اس کا کیوں پڑا اس کی تائید کے لئے میں لغات عبرانی کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔



پہلے قانون پر نظر ثانی ہے، یا تورات کے حکمتوں کی قانون کے بعد یہ زبانی روایت کی کتاب دوسرے درجہ پر ہے، یا قدیم عبرانی کے مطابق اس کے معنی سیکھنے، یا سکھانے کے لئے کر، اس کی کوئی مناسب وجہ تسمیہ مٹائی جائے۔

### مشاة

اب میرا کہنا وہی ہے، جو پہلے کہا جا چکا ہے، کہ جس کو عبرانی میں مشایا مشاة کہتے ہیں، وہی عربی تلفظ میں مشاة ہے جس کے معنی دو یا دوہرانے کے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ عبرانی مشایا جس کا ثانی قانونی کتاب پر اطلاق ہوا ہے، اس کے لئے بھی عربی لفظ ”مشاة“ ہے اور اس کی جمع ”مشائی“ ہے اور خود قرآن پاک نے اس کا کئی مقام پر اپنے اوپر اطلاق کیا ہے۔

اور ہم نے اسے پیغمبر! تم کو ”مشائی“ میں  
سات دیئے

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي  
(الحجر) 15:87

اس خدا نے اتار ابھریں کلام ایک کتاب  
جو باہم موافق اور ”مشائی“ ہے

نَزَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا  
مُتَشَابِهًا مَثَانِي  
(الزمر) 39:23

مشاة کے معنی کتاب کے بھی عربی میں موجود ہیں، نیز مشایا تالمود کے لئے وہی لفظ عربی میں مستعمل ہے، لسان العرب لفظ ثنی کے تحت میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ ابن عاص کی ایک روایت کی شرح میں ہے۔

پوچھا گیا کہ مشاة کیا ہے کہا جو خدا کی  
کتاب کے سوا لکھا گیا، گویا خدا کی جو کتاب  
لکھی گئی، وہ پہلی تھی، اور یہ دوسری ہے،  
ابو عبیدہ نے کہا کہ میں نے تورات کے ایک  
عالم سے جو مشاة سے واقف تھا اور اس کو پڑھ

قِيلَ وَمَا الْمَثَانَةُ قَالَ اسْتَكْتَبَ  
مِنْ غَيْرِ كِتَابِ اللَّهِ كَأَنَّهُ جَعَلَ  
مَا اسْتَكْتَبَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ مَبْدَأً  
وَهَذَا مَثْنَى قَالَ أَبُو عَبِيدَةَ  
سَأَلْتُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ

العلم بالكتاب الاول  
 قد عرفها وقرأها عن المشاة  
 فقال ان الاحبار والرهبان من  
 بنی اسرائیل من بعد موسی  
 وضعوا کتاباً فیہا بینہم علی  
 ما ارادوا من غیر کتاب اللہ  
 فهو المشاة

چکا تھا پوچھا کہ مشاة کیا ہے؟ اوس نے  
 جواب دیا کہ یہودی عالموں اور درویشوں  
 نے حضرت موسیٰ کے بعد اپنے حسب  
 خواہش خدا کی کتاب کے سوا ایک اور  
 کتاب بنالی تھی وہی مشاة ہے

## خاتمہ

کیا عبرانی مشاة بعینہ یہی عربی مشاة نہیں ہے اب بھی شک کی گنجائش ہے؟  
 بہر حال اس سخت گیری کی پالیسی سے ہم اپنے حریف کو دق کرنا نہیں چہاتے بلکہ یہ  
 عرض کرتے ہیں کہ خواہ آپ توراة کی پانچویں کتاب مراد لیجئے یا تالمود کی کتاب دونوں  
 کا ماخذ عبرانی لفظ مشا اور شنہ ہے جس کے معنی بدلنے دہرانے یا دوسرا ہونے یا دوبارہ  
 ہونے کے ہیں یا سیکھنے کے ہیں اور سوائے اخیر معنی کے الفاظ شنہ، شنی، شنیہ اور شنی اس  
 کے مرادف ہیں اور عربی لفظ سنت کو جس کے لغوی معنی راستہ اور طریق کے اور  
 اصطلاحی معنی طریق محمدی کے ہیں اس سے ادنیٰ سا بھی تعلق نہیں سنت کا مادہ س ن  
 ن یعنی سنن ہے اور مشنا یا مشاة کا عبرانی میں ش ن ہ یا الف اور عربی میں ث ن ہ  
 ہے اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ ہمارے دوست اپنی تحقیق پر مزید نظر ثانی فرما کر  
 علم اور اسلام دونوں کو اپنا ممنون احسان بنائیں گے ورنہ ان کی تحقیق کو بھول ان کے  
 ایک یہودی چہ بھی سن کر ہنس دے گا۔  
 آخر میں ایک اور بات عرض کر دوں کہ ”مشنا“ زبانی روایات کو بھی نہیں کہتے

بلکہ اس کتاب کا نام ہے جس میں یسود نے اپنی زبانی روایات کو جمع کیا ہے، اگر گلستان اخلاقی قصص و حکایات کے کسی مجموعہ کا نام ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ گلستان کے معنی اخلاقی قصص و حکایات کے ہیں۔

دوران تحقیق میں فرماتے ہیں کہ

”مولانا کی یہ دلیل اور بھی پر لطف ہے کہ سنت کا لفظ قرآن میں ہے اس لئے یہ عبرانی زبان سے ماخوذ نہیں“

میں نے اگر ایسا کہا ہو تو یہ یقیناً غلط ہے۔ لیکن

ع خن شناس نہ دلبر خطا ایں جاست

میں نے خدمت والا میں یہ عرض کیا تھا کہ

”سنت خالص عربی زبان کا لفظ ہے اس کے لفظی معنی راستہ کے ہیں، لیکن بول چال میں اس کے معنی طریقہ عمل کے ہیں، جس پر ہمیشہ کوئی عمل جاری رہے قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے۔“

ہر صاحب بصیرت میرے استدلال کو سمجھ سکتا ہے کہ عبرانی لفظ مشاہہ (ش) عربی میں مشاہہ (ث) ہے اور جس کے معنی دونوں زبانوں میں دوسرے یا دہرانے یا اعادہ کے ہیں اور اس سے الگ ”سنت کا لفظ ہے جس کے معنی راستہ اور طریق کار کے ہیں اور عربی میں یہ دونوں لفظ الگ الگ مستقل صورتوں میں وارد ہیں اور خود قرآن پاک میں ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ ہم نے تم کو ”مثنائی“ میں سے سات دین

مثنائی جمع ہے، واحد کی صورت وہی مشاہہ ہے اور سنت الگ ہے



اگر شتاۃ اور سنت ایک لفظ ہوتے تو عربی میں شتاۃ اور سنت دو لفظ موجود نہ ہوتے اور قرآن ان کو دو لفظ دو تلفظوں کے ساتھ دو معنوں میں استعمال کرتا اس سے معلوم ہوا کہ شتاۃ اور سنت دو الگ الگ مستقل اور مختلف المعنی لفظ ہیں یہ ہے میرا استدلال جس کی آپ نے غلط تعبیر کی میرے گزشتہ مضمون پر ایک نظر ڈالنے سے مضمون نگار کی غلط فہمی واضح ہو سکتی ہے

معارف جولائی 1930ء



# عرب و امریکہ



## عرب و امریکہ

عام طور سے مشہور ہے کہ امریکہ کو کولمبس نے 1398ء میں دریافت کیا ہے، یہ شہرت اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ عام متمدن پرانی دنیا کو اس نئی دنیا سے پوری واقفیت اسی وقت سے ہوئی اور اسی کے بعد سے دونوں میں میل جول اور ہر قسم کے علمی و تمدنی و تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ یہاں تک کہ آج نئی اور پرانی دنیا ایک گھر کے آنگن بن گئے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں کہ کولمبس سے پہلے اس نئی دنیا میں پرانی دنیا کی کسی نووارد قوم یا اشخاص کے قدم نہیں پہنچے۔

یہ مسئلہ کہ امریکہ تک کبھی عرب جہاز راں پہنچ چکے تھے، گو ہندوستان میں نیا ہو، مگر مصر کے بعض ممتاز فاضلوں نے اس پر متعدد اوقات میں بحثیں کی ہیں، علامہ زکی پاشا نے سسلی کے عرب جغرافیہ نویس اور یسی التونی 560ھ کی نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق کا ایک حوالہ پیش کیا تھا، جس میں بحر ظلمات میں اندلس کے چند عرب نوجوان جہاز رانوں کے جہاز چلانے کا ذکر ہے، مگر ابھی تک نہ تو مصر میں اور نہ ہندوستان میں اس مسئلہ کے تمام اطراف پر بحث کی گئی اور نہ تمام ممکن مواد یکجا فراہم کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل باتیں تنقیح کے قابل ہیں،

- 1- کیا عربوں نے، اور زیادہ عام لفظوں میں کیا مسلمانوں نے ”ربع مسکوں“ کے پرانے نظریہ کی تنقید کی تھی؟
- 2- کیا ان کو زمین کی گولائی اور اس کے تختائی اور فوقانی حصوں کا علم تھا؟
- 3- کیا ماورائے بحر ظلمات انہوں نے پہنچنے کی کوشش کی؟

4- کیا آج کل کے نئے محققین اس نظریہ کو قبول کر سکتے ہیں؟

ذیل کی سطروں میں ان میں سے ہر ایک مسئلہ پر اپنی تلاش و فکر کے نتیجے پیش کرتا ہوں، ربع مسکون، بطلمیوس نے دو خطوں کے تقاطع سے روئے زمین کے چار برابر حصے کئے تھے، ایک خطہ قطب جنوبی سے قطب شمالی تک فرض کیا تھا، اور دوسرا زمین کے بچ سے آفتاب کے بالقابل پہلے خط کو کاٹتا ہوا (اس کو خط استواء کہتے ہیں) وسط افریقہ سے گذرتا ہے، اس طرح دو خطوں کے تقاطع سے زمین کے چار فرضی حصے ہوئے دو شمالی اور دو جنوبی اور خط استواء ان دونوں شمالی اور ان دونوں جنوبی حصوں کے بچ سے گزرتا ہے، بطلمیوس کی رائے یہ ہے کہ انسانی آبادی روئے زمین کے ان چار حصوں میں سے صرف ایک شمالی حصے میں ہے، اسی کو اصطلاح میں ربع مسکون کہتے ہیں یعنی چوتھائی حصہ (ربع) جو آباد ہے، (مسکون) باقی تین چوتھائی حصے زیادہ تر سمندروں میں غرق ہیں، اور کچھ گرمی اور سردی کی غیر معتدل شدت کے سبب سے سکونت کے قابل نہیں۔ مسلمانوں نے شروع میں بطلمیوس کے اس نظریہ کو بعینہ تسلیم کیا، لیکن بہت جلد وہ اس پر شکوک و اعتراضات وارد کرنے لگے، بطلمیوس کے حامیوں نے اس کی رائے کی صحت پر فلسفیانہ اور طبعی دلائل گھڑ کر کھڑے کئے، مگر دوسروں نے ان کو توڑ دیا، اور ایک مدت تک یہ مناظرہ گرم رہا، بیرونی، ابن رشہ، طوسی، قطب شیرازی، شریف جرجانی، برجنڈی، قوشچی، اور چغمین کی تصنیفات میں زمین کی ہیئت کے باب میں یہ بحثیں مذکور ہیں، یہاں مثال کیلئے نصیر طوسی التوفی 673ھ کے تذکرہ اور اس کی شرح توضیح التذکرہ مؤلفہ نظام عرج (تالیف 711ھ) اور اس کے حاشیہ سے کچھ عبارتیں نقل کرتا ہوں۔

وہذا التقسیم غیر صحیح  
فاسد، ایضاً لانامارائینا لہم  
فی هذه المقدمة شبهة فضلاً  
یہ تقسیم صحیح نہیں، غلط ہے، اس لئے کہ ان  
کے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی شبہ بھی میں  
نے نہیں پایا، چہ جائے کہ کوئی دلیل ان کے  
پاس ہو، اس بنا پر یہ بالکل ممکن ہے کہ زمین کی

من حجة فعلیٰ هذا یحتمل  
ان یکون فی الارباع الباقية  
عمارات كثيرة لم یصل الینا  
خبر هم لما بنینا و بینهم من  
البحار الفرقة والجبال  
الشاهقة (نسخة قلمی دار المصنفین)  
باقی چوتھائیوں میں بہت سی آبادیاں ہوں  
جن کی خبر ہم تک اس لئے نہیں پہنچی کہ  
ہمارے اور ان کے درمیان جدا کر دینے  
والے سمندر اور بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔

اسی طرح جنوبی حصہ میں آفتاب کی شدت گرمی کے سبب سے عدم آبادی  
کا جو پرانا نظریہ تھا اس پر بھی ضرب کاری لگائی گئی اور کہا۔

لجواز انّ یکون مَسکوناً  
ولا یصل الینا خبر هم للبحار  
العظيمة والجبال الشامخة  
الشاهقة المانعان من ان  
یصل خبر هم  
اس مکان کے سبب سے کہ وہ بھی آباد  
ہوں، اور ہم تک ان کی خبر اس لئے نہ پہنچی  
ہو کہ بڑے بڑے دریا، اور پہاڑیج میں  
حائل ہوں، جو ان کے حالات ہم تک  
پہنچنے سے مانع ہوں۔ (کتاب مذکور)

آخر میں اس نظریہ کی کہ صرف ”رج مسکون“ ہی کیوں کھلا ہوا ہے،  
اعتراض اور جواب کے بعد بظاہر کوئی سنجیدہ دلیل نہ پا کر کہا،

وبالجملة ليس لا نكشاف هذا  
 القدر المذکور من الارض ای  
 الربع المسکون الشمالی  
 سبب معلوم غیر النایة الالهیة  
 والا لما فضل احد الربعین  
 الشمالیین بها ای بالعمارة  
 والسکنی دون الآخر مع  
 تساوی ارتفاعهما بالقیاس  
 الی السمادیات

(کتاب مذکور)

شارح نے اس ”عنایت الہی“ کے نظریہ کو بھی تسلیم نہیں کیا، اور کہا کہ ممکن ہے کہ  
 عنایت نے دوسرے ربع شمالی میں بھی آبادی رکھی ہو۔

الجواز ان یکون الربع الآخر  
 مَسْکُونًا مَعْمُورًا وَلَمْ یَصِلْ  
 الَینَا خَبرُهُمْ

(کتاب مذکور)

اس بحث سے اندازہ ہو گا کہ اس پرانی دنیا کے علاوہ دوسری دنیا کا نظریہ  
 مسلمانوں نے علمی استدلال کے طریقہ سے سمجھا تھا، اور یونانی نظریہ ربع مسکون کی  
 کوئی طبعی اور فلسفیانہ توجیہ ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، نویں صدی ہجری کے وسط



میں قاضی زادہ رومی نے محمود چغتائی التونی 745ھ (1344) کی شخص کی شرح میں جس کو اس نے رصد خانہ سمرقند کے بانی سلطان الخلیفہ کے نام سے لکھا ہے، کہا ہے

وسائر الارباع خراب ظاهراً  
والا نوصل خبرهم الينا غالباً  
ويحتمل ان يكون بيننا  
ويبينهم بحار مفرقة وجبال  
شاهقة وبواد بعيدة تمنع  
وصول الخبر اليها غير ان احد  
اربعين الجنوبيين قد حكى  
فيه قليلاً من العمارة

اور باقی تین چوتھائی زمین بظاہر غیر آباد  
ہے کہ اگر آباد ہوتی تو غالباً اس کا حال ہم  
تک پہنچتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے  
اور وہاں کے باشندوں کے درمیان بڑے  
سمندر، پہاڑ اور دور دراز صحرا ایسے ہوں  
جو ان کی خبر کو ہم تک پہنچنے میں حائل  
ہوں، لیکن یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک جنوبی  
چوتھائی حصہ میں تھوڑی آبادی ہے۔

(ص 114 مطبوعہ 2171 لکھنؤ)

اگر ایک ہی شمالی چوتھائی آباد ہے، تو پھر یہ مسئلہ مشتبہ رہا کہ دو شمالی رخوں میں  
سے کون آباد ہے، فوقانی یا تحتانی، تو چونکہ ربع مسکون ہی کے مسئلہ کو مسلمان مشتبہ سمجھ  
گئے تھے اس لئے وہ اس کی علت بتانے میں بھی پس و پیش کرتے تھے، اس لئے انہوں  
نے صحیح طور سے یہ کہا کہ نیچے اور اوپر کے ربع اس لئے فضول ہے کہ ہر ایک دوسرے  
کی نسبت سے نیچے اور اوپر ہے، تصریح کے شارح امام الدین لاہوری نے حاشیہ کی یہ  
عبارت نقل کی ہے۔

ان فی تعیین هذا الربع تعسراً بل  
تعذر لان لوقيل هذا هو الربع  
الفوقاني لصدق على الآخر

اس چوتھائی زمین کی تعیین مشکل ہے بلکہ  
محال ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ فوقانی  
ربع ہے، تو یہ فوقانی ہونا تو دوسرے کو بھی  
کہہ سکتے ہیں۔ (ص 55)

اسی کی شرح میں عصمت اللہ سارنپوری نے کہا ہے

لان کل منهما الفوقانی      کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر کی  
بالنسبة الی من علیہ      نسبت سے فوقانی ہے۔

اس کے بعد تصریح کی عبارت حسب تحریر ملا عصمت اللہ حسب ذیل ہے

والحاصل انه ليس هنا علامة      حاصل یہ کہ یہاں کوئی علامت ایسی نہیں  
يمتاز احدهما عن الآخر      ہے جس سے ایک حصہ دوسرے سے ممتاز  
ولذلك تراهم يهتمون الكلام      ہو سکے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اہل بیت  
ويقولون للمعمور احد      اس مقام پر مشتبہ طریقے سے یہ کہہ دیتے  
الربعين      ہیں کہ وہ شمالی رہوں میں سے ایک آباد  
ہے۔

(باب ملا عصمت اللہ)

ملا عصمت اللہ اور امام الدین بعد کے لوگ ہیں، لیکن انہوں نے جو کچھ لکھا  
ہے وہ اگلوں کی نقل ہے۔

ابن خلدون مغربی المتوفی 808ھ نے مقدمہ میں ربیع مسکوں کے نظریہ کی  
تشریح کے بعد لکھا ہے،

”اور ہمیں سے حکمانے یہ اخذ کیا ہے کہ خط استواء اور جو اس کے پیچھے ہے  
آبادی سے خالی ہے، اور ان حکماء پر یہ اعتراض کیا گیا ہے، کہ یہ مقام تو مشاہدہ اور  
سیاحوں کے متواتر بیانات سے ثابت ہے کہ آباد ہے تو پھر اس دعویٰ پر دلیل کیسے قائم  
ہوگی۔

(یعنی دعویٰ ہی غلط ہے)

پھر قدیم حکماء کی طرف سے یہ بات مٹائی ہے۔

”بظاہر حکماء کا مقصد یہ نہیں ہے کہ خط استواء کے پیچھے آبادی بالکل محال ہے، جبکہ ان کے استدلال نے ان کو یہاں تک پہنچایا ہے کہ وہاں گرمی کی شدت کے سبب سے پیدائش کا فساد قوی ہے، اور اس لئے آبادی اس میں محال ہے، یا بہت کم ممکن ہے اور وہ ایسا ہی ہے، کیونکہ خط استواء اور جو اس کے پیچھے ہے، گو اس میں آبادی جیسا کہ میان کیا گیا ہے، مگر بہت کم ہے۔“

اس مسئلہ کو اس سے بہت پہلے ابن رشد التونی 595ھ نے پیش کیا اور کہا کہ خط استواء کے دونوں طرف جب یکساں صورت ہے تو خط استواء کے جنوب میں کیوں آبادی نہ ہو؟

ابن رشد نے کہا ہے کہ خط استوا معتدل ہے، اور اس کے جنوب میں جو زمین ہے وہ ویسی ہے جیسی اس کے شمال میں ہے، تو جس طرح استوا کے شمال میں آبادی ہے، جنوب میں بھی ہوگی“ (مقدمہ ابن خلدون)

ابن خلدون اسی خیال کی مزید تشریح اور جواب دیتے ہوئے کہتا ہے، لیکن یہ کہنا کہ خط استوا میں آبادی محال ہے، تو متواتر بیان اس کی تردید کرتا ہے۔  
(مقدمہ ص 43 مصر)

جوابات ابن رشد نے کسی وہی حسن بن احمد ہمدانی التونی 945ء 334ھ نے  
جزیرۃ العرب میں کہی ہے،

لیکن خط استواء کے پیچھے جنوب تک اس  
کی طبعی کیفیت شمال کی طبعی کیفیت کے  
مانند ہر چیز میں ہوگی، لیکن صرف اسی قدر  
اختلاف ہوگا، جن کو میں نے سر ابراہیم

واما خلف خط الاستوا الى  
الجنوب فان طباقة تكون  
على طباقة شق الشمال سواء  
في جميع احواله الا

میں لکھا ہے 'یعنی آفتاب کے نقطہ اوج اور  
نقطہ حضیض میں اختلاف ہے جو اثر پیدا  
ہوتا ہے'

قد رما ذکرنا فی کتاب سرائر  
الحکمة ما ذکرنا اختلاف  
حالی الشمس فی راس  
ارجھا ونقطۃ حضیضھا  
(ص 5 لیڈن)

اس کے بعد لکھا ہے کہ بحر اعظم کی موج و طغیانی کی شدت کے سبب سے  
اوپر جنوبی سمت (یعنی جنوبی افریقہ) میں سمندر کی طرف سے جانے کی کسی کو ہمت  
نہیں پڑتی۔

ہدانی نے آفتاب کے نقطہ اوج و حضیض کا جو فرق پیدا کیا تھا 'نصیر الدین طوسی التونی  
672ھ نے اس کو کمزور ثابت کیا اور کہا'

فمن البعید ان یبلغ تاثیرھا الی	یہ دور از قیاس ہے کہ آفتاب کی تاثیر اس
حد یصیر احد موضعین	حد تک پہنچ جائے کہ وہ مقام جو وضع
متساوین فی الوضع	(پوزیشن) میں یکساں ہوں ان میں سے
مسکوناً والاخر غیر مسکون	ایک آباد ہو اور دوسرا غیر آباد ہو!

(تقویم البلدان ابو الفداء)

(ص 5 پیرس)

اوپر علماء تو اس مناظرہ میں مصروف رہے کہ وہاں آبادی ہے یا نہیں یا عقلاً  
ہو سکتی ہے 'یا نہیں' اور ادھر کم لکھے پڑھے سیاح اور جہاز راں خط استواء کو پار کر کے  
افریقہ کی ہر سمت میں تیر گئے۔

جنوبی حصہ میں افریقہ کا جہاں تک تعلق ہے 'عرب تاجر اور سیاح اس کے گوشہ  
گوشہ سے واقف ہو چکے تھے 'جہاں جہاں موجودہ زمانہ میں اہل یورپ پہنچے 'مسافر ان

عرب کے نشان قدم برابر پائے، عملی عرب سیاح اور جہاز راں خط استواء کو پار کر کے افریقہ کے ایک ایک کونے اور گوشے میں پہنچے اور خط استواء سے نیچے راس الرجال الصالح (گڈ ہوپ) تک سب چھان مارا چنانچہ ابو عبد اللہ البکری کی صفۃ الافریقہ و المغرب، ابن بطوطہ کے سفر نامہ کے آخری ابواب اور ابن خلدون کے مقدمہ اور تاریخ میں ان کے حالات موجود ہیں، لیکن اصلی باشندوں نے تو حش اور جہالت اور حیوانیت کے سبب سے ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔

ابن خلدون جنوبی افریقہ کے بعض مقامات، مثلاً، 'تکرور'، غانہ اور سلطنت مالی کا نام لے کر کہتا ہے،

”اور آج کے زمانہ میں یہ پوری سر زمین سوڈانی قوم کی مملکت میں شامل ہے، اور ان کے ملک تک مراکش کے سوداگر جاتے ہیں،..... اور ان کے پیچھے جنوب میں کوئی قابل ذکر آبادی نہیں، ہاں کچھ آدم صورت انسان ہیں، جو انسانوں کے مقابلہ میں جانوروں سے زیادہ قریب ہیں، وہ صحراؤں اور غاروں میں رہتے ہیں، اور گھاس اور غلہ بن پکائے کھاتے ہیں، اور ان میں ایک دوسرے کو کھا جاتے ہیں، وہ انسانوں کے شمار میں نہیں۔ (مقدمہ ص 54 مصر)

مشرقی افریقہ تو عربوں کا وطن ہو گیا، زنجبار پر وہ قابض تھے اور سواحل میں مدگا سکر (قنبلو) کے مقابل تک انکا بحری گزر گاہ تھا، مغربی افریقہ گائنا (غانہ) میں ان کی نو آبادی تھی، شمالی افریقہ تو ان کی عظیم الشان سلطنتوں کا مرکز ہے، اور آج تک وہ اس پر قابض ہیں، اور جنوبی افریقہ کے حیوان نما انسانوں کا حال ابھی پڑھ چکے، لیکن انہوں نے محنت کر کے ان میں سے اکثر جانوروں کو انسان بنایا۔ اور کچھ کو ان کے جانشین اہل فرنگ نے بعد کو انسان بنایا اور باقی آج بھی جانور ہیں، الغرض

”افریقہ کی ہر سمت میں عرب تاجر اور نوآباد پھیل گئے تھے، مگلو، ازدلو، کفر

دریا‘ (الکفرہ) میں وہ آباد تھے اور ان کے قدیم آثار موجود ہیں 1903ء میں روڈیشیا شمالی ٹرنسوال میں ایک عرب کی قبر ملی ہے جس میں مرنے والے کا نام سلام اور تاریخ وفات 95ھ 714ء کھدی ہے اسی طرح اہل جرمنی نے چند سال ہوئے مشرقی افریقہ کے اندرونی علاقہ میں قدیم شہر نو کامو میں وانگا کے قریب قدیم عربی کتابے پائے جن کو وہ برلن عجائب خانہ لے گئے

”پرہنگالیوں کی تاریخ میں ہے کہ جب انکے جہازات جنوبی مشرقی سوا صلی افریقہ گڈھوپ اور نائل کے درمیان سفر کر رہے تھے تو انہوں نے عربوں کو پایا جن کے جہازات سے ساحل بھر اہوا تھا اور کفر دریا کے ملک سے بہت سا سونا اپنے جہازوں میں لاد چکے تھے تاکہ وہ اپنے ملکوں کو لے جائیں (۱)

مغربی افریقہ میں نابجیر یا کاوسیہ خطہ عربوں کی نو آبادیوں کا مرکز تھا اور ہے یہاں پر خصوصیت کے ساتھ ہم کو مغربی افریقہ کے ایک گوشہ سے جس کو عرب خانہ اور اہل یورپ گانا (guinea) کہتے ہیں بحث ہے اور جو قدیم زمانہ سے سونے کی سرزمین ہے (غانہ) اہل عرب اس سونے کی سرزمین تک بہت پہلے پہنچ چکے تھے عربی جغرافیوں میں اس کا نام باربار آیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ہر قوم میں اس ملک کا نام ہی سونا ہو گیا ہے عربی میں خالص سونے کو بتر کہتے ہیں یہی بتر اس کا عربوں میں نام ہے چنانچہ یا قوت نے معجم البلدان میں غانہ کا حال غانہ سے زیادہ بتر میں لکھا ہے یہ گانا یورپ میں جا کر گنی کی صورت میں سونے کی اشرفی بن گئی

گانا خط استواء کے جنوب میں مغربی افریقہ کے اس ساحل پر واقع ہے جہاں سے جنوبی امریکہ اور پرانی دنیا کا ایک طرح سے محاذ پڑتا ہے اس لیے اس موقع پر اس کی خاص اہمیت ہے

(۱) یہ دونوں اقتباس المتصنف مصر اگست 1915ء کے مضمون الرحلة الافريقية القدیمہ سے ماخوذ ہیں۔

اہل عرب گائناکب پہنچے اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں، لیکن قیاس کیا جاتا ہے کہ دوسری صدی میں مصر اور نوبہ اور جدو غیرہ افریقی قبیلے یہاں کے سونے کا خراج مصر میں ادا کرتے تھے اور وہاں مسلمان عمال اور مزدور آباد ہو چکے تھے (۱) پانچویں صدی ہجری کے اندلسی جغرافیہ نویس ابو عبید عبد اللہ البحری التوتی 487ھ 1097ء نے کتاب المسالك والممالك کے حصہ کتاب المغرب فی ذکر بلاد افریقہ والمغرب میں گائناکا وہاں کے قبائل کا، ان کے بادشاہ کا، اور اسکی سلطنت کا پورا حال لکھا ہے، اور وہاں کے مسلمانوں کی سکونت اور آمدورفت کی اطلاع دی ہے، یہ حالات مصنف نے 460ھ میں لکھے ہیں، شہر غانہ کے دو حصے تھے، ایک میں مسلمان رہتے تھے، جس میں بارہ مسجدیں تھیں، ایک جامع مسجد تھی۔ ان مسجدوں میں امام و موزن اور علماء سکونت پذیر تھے، دوسرے میں بادشاہ اور اس کے ارباب حکومت رہتے تھے، بادشاہی عمارت کے پاس بھی ایک مسجد بنی تھی، جس میں وہ لوگ فریضہ نماز ادا کرتے تھے، جو بادشاہ کے پاس آتے تھے، ملک کے دوسرے حصے میں بھی مسلمانوں کی آبادیاں تھیں، بادشاہ اور اس کے قبیلے کے لوگ اس وقت تک بہت پرست تھے، لیکن مسلمانوں کی پوری عزت کرتے تھے، لیکن اسی زمانہ میں بادشاہ نے ایک مسلمان کی تبلیغ سے اسلام قبول کر لیا، وہاں ایک ایسی عرب قوم بھی آباد تھی، جو بنو امیہ کے زمانہ میں فوج کی حیثیت سے آئی تھی، اور بیس رہ پڑی، بعد کو وہ اپنا مذہب بھی بھول گئی (۲)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ عرب یہاں بنو امیہ ہی کے زمانہ میں یعنی پہلی صدی ہجری کے آخر یا دوسری صدی ہجری کے شروع میں پہنچ چکے تھے، چھٹی صدی ہجری میں غرناطہ کے ابو حامد اندلسی التوتی 595ھ نے جو اسپین سے لے کر چین تک سیاحت کر چکا تھا، اور بغداد میں اقامت گزیر ہو گیا تھا، تحفۃ الالباب کے نام سے جغرافیہ اور عجائب عالم پر ایک کتاب لکھی ہے اس میں وہ غانہ کے متعلق لکھتا ہے۔

(۱) طبری واقعات 235 (۲) کتاب المغرب فی صفۃ افریقہ وبلاد المغرب صفحات ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۷۷

وبلاد هُم مِمَّا يَلِي الْمَغْرِب  
 الا على المتصل بطنجة  
 ان کا ملک مراکش کے اس حصہ سے جو  
 طنجة سے ملا ہے اور بحر ظلمات (اطلانک)  
 کے سواحل پر پھیلا ہے متصل ہے  
 ممتدا علی بحر الظلمات (۱)

ابو حامد کا یہ بیان بہت مبہم ہے، مراکش شمال میں ہے، اور غانہ اس کے جنوب میں اور  
 دونوں کے بیچ میں صحرائے افریقہ ہے، لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے  
 واقف تھا، بہر حال اس کے زمانہ میں ان اطراف کے پانچ قبیلے مسلمان ہو چکے تھے، جن  
 میں ایک غاز کا قبیلہ تھا۔

ان کے بادشاہوں میں سے پانچ قبیلے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے، مسلمان ہو گئے  
 ان میں سے قریب تر غانہ ہے، جس کی ریگ میں خالص سونا پیدا ہوتا ہے، اور ان کے  
 یہاں سونا بہت ہے۔“

(ص 41 دص 42 پیرس)

اس کے بعد اور یسی مراکشی التونی 560ھ نے سسلی میں بیٹھ کر شاہ سسلی  
 کے حکم سے جغرافیہ کی مشہور کتاب نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق لکھی، اس میں غانہ  
 کے حال میں جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے، لکھا ہے کہ غانہ میں علوی سادات  
 کی سلطنت ہے۔

گنی میں جیسا کہ کہا گیا ہے، بنی صالح نام علویوں کی سلطنت اور حکومت  
 ہے زجا کی کتاب کے مصنف (اور یسی) نے کہا ہے کہ اس کے بانی کا نام صالح بن  
 عبد اللہ بن حسن بن حسین ہے۔



ابن خلدون کہتا ہے کہ عبداللہ بن حسن کی اولاد میں صالح نام کوئی شخص معروف نہیں ہے، مگر حال ابن خلدون المتوفی 808ھ کے زمانہ میں غانہ کا ملک سلطان مالی کے زیر حکومت تھا (۱)

مشہور سیاح ابن بطوطہ جو اسی زمانہ میں تھا، وہ اسی سلطان کے زمانہ میں غانہ پہنچا تھا اس سلطان اور اس کی مملکت اور قوم کے حالات اس نے اپنے سفرنامہ کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں، یہ لوگ دیندار مسلمان تھے اور عربی زبان افریقہ کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی سرکاری و مذہبی دونوں حیثیتوں سے رواج پذیر تھی، یہیں سے ابن بطوطہ سلطان مراکش کی دعوت پر تمام دنیا کا چکر لگا کر اپنے ملک میں واپس گیا ہے (۲)

ابو عبید بصری اندلسی ابو حامد غرناطی، یا قوت رومی جغرافیہ کے ان تینوں مصنفوں کی کتابوں میں زمانہ میں سونے کی بڑی بڑی داستانیں ہیں کہ کس طرح عرب تاجر مراکش اور مغرب سے اونٹنوں پر لاد کر نمک اور دوسرے معمولی سامان لے جاتے ہیں اور وہاں سے سونا بھر کر واپس لاتے ہیں، اس داستان کو یہاں زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں، مگر اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ آخری نتیجہ میں یہ بات کام آئے گی۔

## شمالی روس اور بحریرنگ

جنوب سے اب شمال کا رخ کیجئے، عرب چوتھی صدی کے شروع میں خلیفہ مقتدر باللہ کی خلافت میں انتہائی شمالی روس تک پہنچ چکے تھے، جہاں رات صرف چار گھنٹوں کی ہوتی تھی، وہاں کا بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا، اور خلیفہ سے خواہش کی تھی کہ اس کی اور اس کی قوم کی تعلیم کے لئے کچھ لوگ بھیجے جائیں، خلیفہ نے لنن فضلان کی سرکردگی میں ایک وفد وہاں روانہ کیا، وہ آذربائیجان ہو کر نہراقل یعنی والگا طے کر کے

(۱) مقدمہ ابن خلدون ص 46 مصر ذکر القیم اول (۲) سفرنامہ ابن بطوطہ آخری باب

انتہائی شمالی روس کے قدیم شہر بلغار میں پہنچا اور کچھ روز رہ کر وہاں سے واپس آیا اس پورے سفر کی روداد اس وقت بھی مختصر طور سے معجم البلدان کے الفاظ بلغار اور روس میں درج ہے، آٹھویں صدی میں ابن بطوطہ شمالی روس کے اس سرے پر پہنچا تھا جس کے آگے شمالی قطب کی برف پوش زمین تھی اور جہاں بقول ابن بطوطہ برف پر چلنے کے لئے کتوں کی گاڑیوں کی ضرورت تھی اور یہ کتے بہت بیش قیمت تھے اس وجہ سے ابن بطوطہ آگے نہ بڑھا (۱) یہ وہی سواری ہے جس سے آج کل کے بہادر بھی قطب شمالی کی سر زمین کو طے کرتے ہیں۔

روس کے انتہائی شمال پر دریائے بیرنگ ہے اس کا ذکر بیرونی نصیر الدین طوسی اور قطب الدین شیرازی نے کیا ہے اور اس کا صحیح موقع بتایا ہے بیرنگ ایشیاء کی طرف آکر بحر الکاہل میں مل جاتا ہے اور شمال کی طرف اسی آبنائے بیرنگ کی پتلی سی لکیر شمالی امریکہ (کناڈا) اور پرانی دنیا کے بیچ میں حائل ہے، مسلمانوں کا علمی قدم اس سمت سے اس پتلی لکیر تک آکر رک گیا تھا جہاں سے شمالی امریکہ منجند برستان کے پردہ میں چند قدم پر رہ گیا تھا (۲)

## انتہائی آبادی

مسلمانوں میں علم ہیئت اور ریاضی و جغرافیہ کا علم زیادہ تر یونان سے آیا تھا، خصوصاً بطلمیوس کی کتاب الجغرافیہ اور محسبیطی پر انہوں نے اپنی معلومات کی بنیاد کھڑی کی بطلمیوس نے خط استواء کو جو افریقہ سے گذرتا تھا، خشکی میں انتہائی آبادی قرار دیا کیونکہ اس کے خیال میں گرمی کی شدت کی وجہ سے انسانی آبادی اس کے بعد ممکن نہیں تھی اور اسی طرح طول میں انتہائی آبادی افریقہ کے پار بحر محیط کے چند جزائر کو قرار دیا تھا جن کو اہل عرب ”جزائر خالدا ت“ کہتے ہیں جس کا صحیح ترجمہ ”جزائر سعید“ یا مبارکہ

(۱) سفرنامہ ابن بطوطہ (۲) تقویم البلدان ابو الفداء ص ۳۵ و تذکرہ نصیر طوسی، تفصیل کیلئے دیکھو

میری کتاب عربوں کی جہا رانی ص ۱۱۳، ۱۱۶

ہے، جس کو بعض عرب اہل جغرافیہ اور اہل ہیئت نے اختیار کیا ہے، اور جو اصل میں لاطینی لفظ Fortunate کا مغرب ہے، اسی یونانی لفظ کو البحر ی نے اپنے جغرافیہ میں قرطائس کے نام سے لکھا ہے، اس سے مقصود جزائر کنیری (Canarie) ہیں، عام طور سے مشرقی اہل ہیئت و جغرافیہ ان کو مفقود اور پانی میں غرق سمجھتے ہیں، مگر مغربی جغرافیہ نویس اس سے پوری طرح واقف تھے، ابو عبید عبد اللہ بن عبد العزیز البحر ی اندلیسی التونی 1097ء 487 ھ لکھتا ہے،

”اور بحر محیط میں طنجه کے مقابل اور کوہ ایڈلٹ کے سامنے وہ جزیرے ہیں جن کا نام قرطائس یعنی ہمیشہ سر سبز رہنے والے (سعیدہ) جزائر سعادات (خالدات) ہیں ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ ان کی پہاڑیاں قسم قسم کے میوؤں اور خوشبودار پھولوں سے معمور ہیں، یہ میوے اور پھول لگائے بغیر خود خود اگتے ہیں، ان کی زمینیں گھاس کے جائے معطر پھولوں سے آباد ہیں اور وہ بلاد بربر کے مغرب میں دریائے مذکور میں متفرق طور پر واقع ہیں (۱)

دوسری طرف انتہائی آبادی جزیرہ طولی کو بتاتے ہیں، جس کو برطانیہ کے اطراف میں اب عام طور پر آئس لینڈ کہا جاتا ہے۔

## زمین گول ہے اور جذب و کشش سے قائم ہے

اس مسئلہ سے بھی اہل عرب واقف تھے کہ زمین گول ہے اور جذب و کشش کے اصول پر قائم ہے، کسی ہیل کے سینک یا ستون یا پہاڑ کی پشت پر یہ گیند رکھا ہوا نہیں ہے، ابن خردادزبہ التونی 300 ھ کہتا ہے۔

زمین کی شکل گول ہے جیسے گیند جو فضائے آسمانی میں اس طرح رکھا ہوا ہے، جیسے

(۱) المغرب فی ذکر بلاد افریقیہ للبحری ص ۱۰۹ الجیرا

انڈے کے اندر زردی اور ہلکی ہوا (نسیم) زمین کے چاروں طرف ہے اور وہ چاروں طرف سے کشش کر رہی ہے آسمان تک اسی طرح مخلوقات کے اجسام زمین پر ہیں کہ وہی نسیم ان کے بدنوں پر جو ہلکا پن ہے اس کو کشش کرتی ہے اور زمین اس کے ثقل کو کھینچتی ہے کیونکہ زمین مثل اس پتھر کے ہے جس کو لوہا کھینچتا ہے (یعنی مقناطیس (۱)) اس عبارت میں زمین کی گولائی اور جذب و کشش کے علاوہ جس حقیقت کو نسیم جیسی ہلکی پھلکی ہوا سے ادا کیا گیا ہے آج آپ اس کو بے تکلف ”ایتھر“ کہتے ہیں نویں صدی کے آخر کا عرب جہاز راں ابن ماجہ مقناطیس کے بیان میں کہتا ہے۔

وقیل ان السبع السموت و  
الارض معلقات بمقناطیس  
القدرۃ

اور کہا گیا ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین  
قدرت کے مقناطیس سے معلق ہے

جذب و کشش کے مسئلہ کو اہل جغرافیہ کے علاوہ دوسرے حکمائے اسلام نے بھی بیان کیا ہے مگر اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں زمین کو گول تو تمام حکمائے اسلام نے تسلیم کیا مگر مجھے اس دعویٰ پر وہ استدلال پیش کرنا ہے جو اہل جغرافیہ کے قلم سے نکلا ہے ان رستہ 277ھ تیسری صدی ہجری میں تھا وہ زمین کے گول ہونے پر ستاروں کے طلوع و غروب اور ظہور و خفا سے اس طرح محققانہ بحث کرتا ہے۔

”تمام اہل علم نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ زمین اپنے تمام اجزاء کے ساتھ خشکی و تری کی گیند کی طرح ہے اور دلیل یہ ہے کہ سورج چاند اور کل ستاروں کا طلوع و غروب زمین کے تمام کناروں میں ایک وقت نہیں ہوتا بلکہ مشرقی مقامات میں ان کا

طلوع، مغربی مقامات سے پہلے ہوتا ہے، اور ان کا غروب مشرقی مقامات پر مغربی مقامات سے پہلے ہوتا ہے، اور یہ حوادث فلکی سے ظاہر ہے جو آسمان میں ہوتے ہیں، تو ایک ہی حادثہ زمین کے تمام اطراف میں مختلف مقامات میں ہوتا ہے، جیسے چندر گرہن کہ اگر ایسے دو مختلف شہروں میں ان کو رصد کیا جائے، جو ایک مشرق میں ہو، اور دوسرا مغرب میں، تو مثلاً اگر مشرقی چندر گرہن کا وقت رات کے تیسرے گھنٹہ میں ہو تو..... (ان رستہ ص 12)

زمین کی گولائی پر آج کل جہاز دن کے اولاً مستول پھر آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے پورا جہاز نظر آنے سے جو استدلال کیا جاتا ہے، اس سے بھی وہ واقف تھے، مسعودی لکھتا ہے۔

”اور جہاز جب سمندر کے بیچ میں ہوگا تو دیواند کے پہاڑ غائب ہو جائیں گے، اور نظر نہیں آئیں گے اور جب دریا میں سو فرخ کے قریب رہ جائے گا تو ذرہ سا پہاڑ کا سرانظر آئے گا، اور جیسے جیسے ساحل کے نزدیک ہوتے جائیں گے، پہاڑ بڑا ہوتا جائیگا اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ سمندر کا پانی گول شکل پر ہے، اور یہی بحر روم میں حال ہے، یہ شام کے پہاڑ جو انطاکیہ اور لاذقیہ اور طرابلس اور جزیرہ ساپرس کے ساحل پر ہیں کہ جہاز میں ٹکا ہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں اور ساحل کے قریب آتے ہوئے آہستہ آہستہ نظر آتے ہیں،“

(مروج الذهب جلد 1 ص 195 پیرس)

ابو بحر ابن الفقیہ ہمدانی 290ھ اپنے جغرافیہ کتاب البلدان میں لکھتا ہے، ”کہتے ہیں کہ سمندر بھی گول ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ جب تم ساحل سے بیچ سمندر میں چلے جاؤ، تو ساحل کے پہاڑ اور درخت آہستہ آہستہ تمہاری نظر سے غائب ہونے لگیں گے، پھر جب تم بیچ سمندر سے ساحل کی طرف آؤ، تو وہ آہستہ آہستہ پھر

دکھائی دینے لگیں گے۔

(ص 153۔ لیڈن)

یہ دلیل بعینہ وہی ہے جو آج بھی زمین کی گولائی پر عام طور سے پیش کی جاتی ہے،

زمین کے فوقانی اور تحتانی حصے اور رات اور دن

ہر چند کہ یہ مسئلہ عربی علم ہیئت میں آفتاب کے دور اور حرکت کے سلسلہ میں عام طور سے مذکور ہے لیکن زمین کے تحتانی اور فوقانی حصوں کی تخصیص کے ساتھ ذکر کرنے میں بے توجہی کی گئی ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمان اس مسئلہ ہی سے واقف نہ تھے، تیسری صدی ہجری کا مصنف ابن رستہ اپنی کتاب الاطلاق النفسیہ کے مقدمہ میں شب و روز کے چوبیس گھنٹوں اور جازا گرمی میں روز و شب کے گھنٹے اور بڑھنے کا ذکر کر کے لکھتا ہے۔

کیونکہ نصف زمین میں ہمیشہ دن رہتا ہے  
اور دوسرے نصف میں اندھیری رات اور  
یہ شب و روز اس زمین پر گردش میں ہیں۔

لان نصف الارض ابدانہار

مضیٰ ونصفها لیل مظلم

یدوران علیہا

(ص 9 لیڈن)

چوتھی صدی کے آغاز کا مصنف مسعودی مروج الذهب میں اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتا ہے۔

”زمین کی آبادی کا آغاز جزائر خالدات سے شمار کرتے ہیں، جو مغربی بحر اوقیانوس میں واقع ہیں، یہ چھ آباد جزیرے ہیں، اور آبادی کی انتہاء چین کی انتہائی آبادی پر ہے، ان دونوں کے درمیان 12 گھنٹوں کی مسافت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آفتاب جب چین کے انتہائی حصہ میں ڈوبے گا تو ان جزیروں میں جن کا ذکر ابھی ہوا، اور جو مغربی بحر اوقیانوس میں واقع ہیں؟ دن ہوگا، اور جب ان جزیروں میں رات ہو

گی 'تواقصائے چین میں دن ہوگا' اور یہ زمین کا نصف دائرہ ہے اور وہی آبادی کا طول ہے جس سے وہ واقف ہوئے ہیں۔

(ج ۱ ص 180 پیرس)

## کرہ ارض کے دوسری جانب آبادی

ربع مسکون کا نظریہ ٹوٹ جانے کے بعد کرہ ارض کی دوسری جانب آبادی کا تخیل بہت قریب ہو گیا یہ تخیل قدیم سے قدیم تیسری صدی ہجری کے عرب جغرافیہ نویسوں میں ملا ہے ابن خردادبہ المتونی 300ھ اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے۔

الَا انَّ الْعِمَارَةَ فِي كُرَةِ الْأَرْضِ  
بعد خطِّ الاستواء اربع و  
عِشْرُونَ درجَةً ثُمَّ الْبَاقِي قَدْ  
عَمَرَ الْبَحْرُ الْكَبِيرُ فَنَحْنُ عَلَى  
الرَّبْعِ الشَّمَالِيِّ مِنَ الْأَرْضِ  
وَالرَّبْعِ الْجَنُوبِيِّ خَرَابٌ لَشِدَّةِ  
الْحَرْفَةِ وَالتَّنَصُّفِ الْبَاقِي الَّذِي  
تَحْتُنَا لَا سَاكِنَ فِيهِ

(ص 5۔ یڈن)

اس اقتباس کا آخری فقرہ قابل التفات ہے کہ وہ زمین کی دوسری جانب کو م از کم خشک اور آبادی کے قابل سمجھتا ہے مگر اس کی آبادی کا اس کو کوئی علم نہیں اس کے بعد اسی کے ایک اہم عصر ابن رستہ 277ھ کے قلم سے عجیب و غریب حقیقت تراوش ہو گئی ہے وہ غلطی کے ساتھ اس قدر تسلیم کرتا ہے۔

اور آدمی نصف شمالی میں آباد ہیں قبہ اور  
مات النعش کے بیچ میں اور وہ سات  
اقلیموں پر منقسم ہے اور باقی حصہ غیر  
آباد ہے اور نصف جنوبی میں جس کو  
خدا چاہے اپنی مخلوقات سے آباد  
کرے۔

وَإِنَّ النَّاسَ لَنَزُلُوا فِي  
النِّصْفِ الشَّمَالِيِّ بَيْنَ الْقُبَةِ  
وَبَنَاتِ النَّعْشِ وَذَلِكَ  
مَقْسُومٌ عَلَى سَبْعَةِ أَقَالِيمٍ وَ  
بَاقِي ذَلِكَ غَيْرُ مَسْكُونٍ  
وَيَنْزِلُ فِي النِّصْفِ الْجَنُوبِيِّ  
مَنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الْخَلْقِ  
(الاعلاق النفسية لكن رسته ص 9  
ليذن)

لکن رستہ ربع شمالی کے بجائے نصف شمالی کی آبادی کا قائل ہے اور جنوب کی  
نسبت مشتبہ ہو کر کہتا ہے ”وہاں اپنی خلق میں سے جس کو چاہے بسائے“ یہ پیشگوئی  
انکشاف امریکہ سے پوری ہوئی

بیرونی، نصیر طوسی، قطب الدین شیرازی اور ان کے تلامذہ کے سوال  
وجواب اور رد و اعتراض سے لوگوں میں یہاں تک ہمت ہوئی کہ طوابع الافطار کے  
مشہور مصنف اور ابن فضل اللہ العمری (مسائل الابصار فی ممالک الامصار کے مصنف)  
کے استاد ابو الشفاء محمود بن ابی القاسم اصفہانی التونی 1347ء 749ھ نے اس نظریہ  
کے پیش کرنے کی جرات کی۔

لا امنع ان یکون ما انکشف میں اس کو ممکن سمجھتا ہوں کہ ہماری طرف



زمین کا جو حصہ کھلا ہے، وہ دوسری طرف  
سے بھی کھلا ہو، اور اس کو بھی ممکن کہتا  
ہوں کہ اس میں بھی وہی حیوان، نبات اور  
معدنیات ہوں جیسے ہمارے حصہ میں  
ہیں یا اور دوسرے قسم کے ہوں

عَنْهُ الْمَاءُ مِنَ الْأَرْضِ مِنْ  
جِهَتِنَا مُنْكَشِفًا مِنَ الْجِهَةِ  
الْأُخْرَى وَلَا امْنَعُ أَنْ يَكُونَ  
بِهِ مِنَ الْحَيَوَانِ وَالنبات  
والمعادن مثل ما عندنا أو من  
أنواع أو اجناس أخرى  
(مسالك الایہاد جلد ۱ ص 31 مصر)

اس سے زیادہ تصریح اور کیا ہوگی، اسی لئے شاید ابن فضل اللہ نے ربع کے  
جائے نصف ارض کو مکشوف قرار دیا

والبحر مُحِيطُ بِنِصْفِ الْأَرْضِ  
أَحَاطَةُ مُتَّصِلَةٌ دَائِرَةٌ بِهِ  
كَالْمَنْطَقَةِ لَا يَظْهَرُ مِنْهَا  
الْأَنْصِيفُهَا وَهُوَ مَادَارَتِ عَلَيْهِ  
الشَّمْسُ فِي قَوْسِ النَّهَارِ مِثْلُ  
بَيْضَةِ مَغْرَقَةٍ فِي مَاءٍ أَنْكَشَفَ  
مِنْهَا مَا أَنْكَشَفَ أَنْغَمَرَ مَا  
أَنْغَمَرَ

اور پانی نصف زمین کو چاروں طرف سے  
کمر بند کی طرح گھیرے ہوئے ہے، زمین کا  
آدھا ہی حصہ کھلا ہے، اور یہ وہی ہے جس  
پر آفتاب دائرۃ النہار میں پھرتا ہے اس کی  
مثال اس انڈے کی ہے جو پانی میں ڈوبا ہو،  
تو اس سے کھل جاتا ہے جو کھل جاتا ہے اور  
ڈوب جاتا ہے جو ڈوب جاتا ہے۔

(مسالك الایہاد ص 30 جلد 1)

لیکن اس سلسلہ میں صحیح بات وہ ہے، جو بیرونی نے اس سے تین سو برس

پیشتر کسی تھی کہ اس قسم کے امور استدلال نہیں بلکہ مشاہدہ پر مبنی ہیں۔

جعلوا العمارة في احد  
الرربعين الشماليين لا ان ذلك  
موجب امر طبعی فمزاج  
الهواء واحد لا يتباين ولكن  
امثاله من المعارف موكول  
الى الخبر من جانب الثقة  
فكان الربع دون النصف هو  
ظاهر الامر والا ولي بان  
يؤخذ به الى ان يرد خبره  
خبر طاری۔

اس فن کے عالموں نے دو شبلی رہوں میں  
سے ایک ربع کو آباد مانا ہے اس لئے نہیں  
کہ اس کا کوئی طبعی سبب ہے، کیونکہ زمین  
کے ہر طرف ہوا کا مزاج یکساں ہے لیکن  
بات یہ ہے کہ اس قسم کے معلومات کسی  
ثقہ کی خبر اور اطلاع پر مبنی ہوتی ہیں  
اس لئے آباد حصہ چوتھائی ماننا بظاہر درست  
ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس نظریہ کو اس  
وقت تک مانا جائے جب تک کسی نئی  
اطلاع سے اس کی تردید نہ ہو جائے۔

(تقویم البلدان ابو الفداء ص ۱۱)

ان علماء کو اپنے استدلال و جواب و سوال میں مصروف رہنے دیجئے اور آئیے  
دوسری طرف ان جاہل جہازرانوں کی کوششوں پر ایک نگاہ ڈالیں جو اپنی جانوں کو خطرہ  
میں ڈال کر بحر ظلمات کی شناساوری میں مصروف ہیں۔

## ماورائے بحر ظلمات

عرب کے بے آب ریگستان سے اسلامی فتوحات کا جو سیلاب چھٹی صدی  
عیسوی کے آخر میں اٹھا تھا وہ ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں افریقہ و مغرب اقصیٰ  
اور اندلس کے صحراؤں اور میدانوں سے گذر کر بحر ظلمات کے ساحل پر آکر رکا، مگر

بلند ہمت عرب کشور کشاؤں کی ہمت اب بھی اس فطری روک کے پاس آکر کم نہ ہوئی، مغربی اقصیٰ کے فاتح عقبہ نے بحر ظلمات کے پانی میں گھوڑا کھڑا کر کے کہا کہ۔

”خداوند!! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس کے بعد بھی تیرا کوئی ملک ہے تو میں ذوالقرنین کی طرح وہاں بھی تیری توحید کی دعوت لے کر جاتا!!“

(المونس فی اخبار تونس ص 28)

اندلس کا فاتح طارق فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا جاتا ہے، اس کا آقا موسیٰ اس کو روکتا ہے وہ جواب دیتا ہے کہ جب تک بحر محیط کی دیوار ہمارے قدم نہ روک لے گی ہم آگے بڑھتے جائیں گے (۱)

ماوراء بحر ظلمات سفر کا تخیل عربوں اور مغربی و افریقی مسلمانوں میں ذوالقرنین کے قصہ کے سلسلہ میں پیدا ہوا یہ کہانی اتنی پھیلی کہ علم ہیئت کی کتابوں تک میں درج ہے، کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے ملک مغرب میں پہنچ کر اپنا جہاز بحر ظلمات کی تحقیق حال کے لئے روانہ کیا، وہ اس پار کے ایک جہاز کو گرفتار کر کے لے آیا، جس پر ماوراء بحر ظلمات کے کچھ باشندے سوار تھے، ذوالقرنین نے ان سے ان کے ملک کا حال دریافت کیا، رصدا گاہ مراغہ کا عالم ہیئت شارح جعمنی اس قصہ کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے،

”یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان میں بڑے بڑے دریا اور اونچے اونچے پہاڑ اور صحاری حائل ہوں، جو ان کی خبر ہم تک نہیں آنے دیتے، ہاں دو جنوبی ربوں میں سے ایک میں کچھ آبادی بیان کی جاتی ہے، اور وہ جو ذوالقرنین کے زمانہ کا قصہ بیان کیا جاتا ہے، وہ بظاہر بے اصل معلوم ہوتا ہے“

(مقالہ ثانیہ فی بیان الارض)

لیکن اس قسم کی کہانیوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی، چنانچہ اسپین و افریقہ کے سواحل میں مغرورین اور مغترین (فریب خوردہ) کے نام سے ایک جماعت ہی قائم ہو گئی، جو اپنے کو مصیبتوں میں ڈال کر اس بحر محیط کے سفر کے لئے روانہ ہوتی تھی، پھر وہ اس میں فنا ہو جاتی تھی، یا کامیاب واپس آتی تھی۔

تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے شروع (نویں صدی عیسوی کے آخر اور دسویں صدی عیسوی کے شروع) میں مسعودی اپنی مروج الذهب میں اس قسم کے واقعات کے لئے اپنی دوسری تصانیف کا حوالہ دیتا ہے۔

اور ہم نے اپنی کتاب اخبار الزماں میں  
اور ان لوگوں کے حالات میں ان واقعات  
کو بیان کیا ہے، جنہوں نے اپنے آپ کو  
فریب دیا اور اپنے آپ کو جان جوکھوں  
میں ڈالا، اور ان سے جو چال اور جو ہلاک ہوا،  
اور انہوں نے جو دیکھا اور مشاہدہ کیا۔

وَقَدْ اَتَيْنَا عَلٰی ذِكْرِهَا فِي  
كِتَابِنَا فِيْ اَخْبَارِ الزَّمَانِ وَفِي  
اَخْبَارِ مَنْ غَرَرَ وَخَاطَرَ بِنَفْسِهِ  
وَمَنْ نَجَا مِنْهُمْ وَمَنْ تَلَفَ  
وَمَنْ شَاهَدَ وَامْنَهُ وَمَا رَاَدَا

اس کے بعد کہتا ہے،

اور ان میں اندلس کے رہنے والوں میں  
سے ایک شخص تھا جس کو خشخاش کہہ کر  
پکارا جاتا تھا، وہ قرطبہ کے نوجوانوں میں  
سے تھا، اس نے قرطبہ کے اور نوجوانوں کی  
ایک جماعت بنائی، اور ان کو لے کر ان  
کشتیوں پر سوار ہوا، جن کو اس نے بحر محیط

وَإِذَا مِنْهُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ  
الْأَنْدَلُسِ يُقَالُ لَهُ 'خَشْخَاش'  
وَكَانَ مِنْ فِتْيَانِ قَرْطَبَةَ وَاحِدًا مِنْهُمْ  
فَجَمَعَ جَمَاعَةً مِنْ أَهْلِ أَثْنَا  
وَدَكْبَ بِهِمْ مَوَاكِبَ

استعدہافی هذا البحر المحيط  
 فغاب فيه مدة ثم انثنى بغنائم  
 واسعة وخبره مشهور  
 عند اهل الاندلس

میں اس غرض کے لئے تیار رکھا تھا وہ ایک  
 زمانہ تک غائب رہا پھر بہت سال غیبت  
 لے کر لوٹا اس کا واقعہ اندلس والوں میں  
 بہت مشہور ہے۔

(ج ۱۔ ص 158۔ پیرس)

اور یسی التونی 560ھ زہرۃ الشقاق میں اندلس کے جغرافیہ میں تین موقعوں  
 پر ان مغرورین یعنی فریب خوردہ جہازرانوں کا ذکر کیا (۱) ہے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر  
 المسلمین علی بن یوسف بن تاشقین کے امیر البحر احمد بن عمر معروف بہ رقم لا آذر (نقش بط)  
 نے بحر ظلمات کے ایک جزیرہ پر فوج کشی کی تھی، مگر کامیابی سے پہلے ہی وہ مر گیا۔

اور یسی ایک موقع پر بحر ظلمات کے ذکر میں لکھتا ہے

”اس بحر ظلمات کے پیچھے جو کچھ ہے اس کو کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی آدمی کو  
 صحیح واقفیت ہے، کیونکہ اس کو عبور کرنا سخت مشکل ہے اس کی فضا میں بڑی تاریکی اور  
 اوس کی موجیں نہایت سخت اور اس کے خطرات بہت اور اس کے جانور خطرناک اور  
 اس کی ہوائیں ہیجان انگیز ہیں اس میں بہت سے جزیرے ہیں کچھ آباد کچھ سمندر کے  
 اندر اور کوئی جہاز راں اوس کو عرض میں قطع نہیں کرتا اور نہ اس میں گھستا ہے البتہ اس  
 کے ساحل کے طول کے کنارے کنارے اس سے لگ کر چلتا ہے (۲)

اب بحر ظلمات میں یہ کون سے جزیرے ہیں؟ کیا امریکن جزائر ویسٹ انڈیز  
 نیو فاؤنڈ لینڈ، گرین لینڈ وغیرہ ہو سکتے ہیں۔

بشونہ (بسن ساحل پر تگال) کے ذکر میں اور یسی ان 'فریب خوردہ جہازرانوں کا ایک دلچسپ قصہ سناتا ہے' کہتا ہے!

اور اسی شہر بسن میں فریب خوردہ لوگ اس لئے بحر ظلمات میں سوار ہوئے تھے 'تاکہ پتہ لگائیں کہ اس میں کیا ہے' اور کہاں جا کر ختم ہوتا ہے 'شہر بسن میں ایک پھانک یا گلی (درب) ہے جس کا نام فریب کھانے والوں کا درب ہے 'اور ان کا قصہ یہ ہے کہ آٹھ آدمیوں نے جو آپس میں سب بچا کے بیٹے تھے 'بار برداری کا ایک جہاز بنایا اور اس میں پانی اور توشہ اتار کھ لیا 'جو مہینوں کے لئے کافی تھا 'پھر اس جہاز میں سوار ہو کر ایک مناسب موسم میں روانہ ہوئے گیارہ دن کے بعد ایک ایسے پانی میں پہنچے جو سخت موجوں والا تھا 'وہاں کی ہوائیں مکدر تھیں 'روشنی ماند تھی 'انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب ہلاکت قریب ہے 'تو اپنے بادبانوں کو دوسرے ہاتھ کی طرف پلٹ دیا 'اور سمندر میں جنوب کی طرف چلتے رہے 'اور بحریوں والے ایک جزیرہ میں پہنچ گئے 'وہاں بے شمار بحریاں تھیں جن کو کوئی پکڑنے والا یا چرانے والا نہ تھا 'وہ جزیرے میں اترے 'وہاں چشمہ ملا 'اور جنگلی انجیر 'انہوں نے ان بحریوں میں سے کچھ کو ذبح کیا تو ان کا گوشت بہت ہی کڑوا نکلا جس کو وہ نہ کھا سکے اور ان کی کھالیں لے لیں 'اور جنوب کی سمت میں 12 دن وہ اور چلے 'اور ان کو ایک جزیرہ ملا 'جہاں آبادی اور کھیتی تھی 'تو وہ اس جزیرہ کو دیکھنے چلے 'ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں نے ان کو گھیر لیا 'اور ان کو پکڑ کر جہاز ایک ساحلی شہر کی طرف لے گئے 'وہاں ایک گھر میں جا کر اتارا 'وہاں سرخ رنگ (اشقر) کم لیکن سیدھے بال والے لمبے قد کے آدمی دیکھے ان کی عورتوں میں عجیب خوبصورتی تھی تو وہ لوگ تین دن ایک گھر میں قید رہے 'چوتھے دن ان کے پاس ایک آدمی آیا 'جو عربی میں باتیں کرتا تھا 'اس نے ان کا حال دریافت کیا 'اور پوچھا کیوں آئے اور کہاں سے آئے 'اور تمہارا وطن کہاں ہے 'انہوں نے اپنا پورا حال بتایا 'اس نے ان

سے بھلائی کا وعدہ کیا اور بتایا کہ وہ بادشاہ کا ترجمان ہے، دوسرے دن ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا، اس نے ان کا حال پوچھا تو وہی بتایا جو کل ترجمان کو بتا چکے تھے کہ وہ اس سمندر میں اس لئے گھسے تھے کہ دیکھیں اس میں کیا کیا عجائبات ہیں، اور اس کے حالات کیا ہیں، اور اس کی حد دریافت کریں یہ سن کر بادشاہ ہنسنا اور ترجمان کے ذریعہ سے ان کو بتایا کہ اس کے باپ نے اپنے غلاموں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سمندر کے عرض میں ایک مہینہ تک چلتے رہیں، مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اور وہ ناکام واپس آئے، پھر بادشاہ نے ترجمان سے کہا ان سے بھلائی کا وعدہ کرے، اور بادشاہ کے ساتھ حسن ظن پیدا کرے، اس نے ایسا ہی کیا، پھر وہ اس قید خانہ میں لے آئے، یہاں تک کہ وہ موسم آیا، جب پھجوا ہوا چلتی ہے، تو ان کو ایک کشتی میں بٹھا کر اور آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ایک مدت تک سمندر میں چلاتے رہے، ان کا گمان ہے کہ تین دن تین رات وہ چلے ہو گئے، یہاں تک کہ وہ ایک خشکی میں پہنچائے گئے، وہاں ان کی مشکیں کسی گئیں، اور ساحل پر چھوڑ دیئے گئے، یہاں تک کہ دن نکلا اور روشنی ہوئی اور ہم بندھے ہونے کے سبب سے سخت تکلیف اور بد حالی میں تھے، پھر ہم نے لوگوں کی آوازیں سنیں - چیخے تو وہ لوگ پاس آئے اور مشکیں کھولیں اور ہمارا حال دریافت کیا، ہم نے بتایا، یہ لوگ برابر تھے، ان میں سے ایک نے کہا تم جانتے ہو کہ تمہارے وطن کا یہاں سے کتنا فاصلہ ہے، انہوں نے کہا ملکہ نہیں، انہوں نے کہا دو مہینوں کی مسافت یہ سن کر ان فریب خوردہ جہازرانوں میں سے ایک کی زبان سے وا اسٹی (ہائے افسوس) نکل گیا، تو اس مقام کا نام اسٹی پڑ گیا اور وہ مغرب اقصیٰ کے بندرگاہ کا نام ہے (۱)

جزئی اغلاط اور دنوں کے اندازہ سے قطع نظر کر کے کیا ہم اس مقام کو جہاں تک یہ فریب خوردہ جہازراں پہنچے تھے، شمالی امریکہ کا کوئی گوشہ سمجھیں، اور سرخ رنگ

کے انسان وہی تو نہیں، جن کا نام غلطی سے ریڈ انڈینس (لال ہندوستانی) رکھ دیا گیا ہے، جو وہاں کے اصلی باشندے ہیں،

ابن خلدون المتوفی 808ھ آٹھویں صدی میں بحر محیط کے ایک سفر کا حال لکھتا ہے جس میں اہل فرنگ کے چند جہاز بحر محیط کے کسی جزیرہ میں اتفاقاً پہنچ گئے تھے، چونکہ بحر محیط کے اندر یا انتہا پر جزائر خالدات کے علاوہ کوئی اور نام معلوم نہ تھا، اس لئے اس کے اندر کی ہر آبادی کو اور خشکی کو جزائر خالدات کہہ دیتے تھے، چنانچہ وہ مقدمہ میں کہتا ہے،

”بحر محیط میں بہت سے جزیرے ہیں، جن میں تین بڑے اور مشہور ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ وہ آباد ہیں اور ہم کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ اس صدی (آٹھویں صدی ہجری چودھویں صدی عیسوی) کے بیچ میں اہل فرنگ کے چند جہاز ادھر سے گزرے، اور انہوں نے وہاں لوٹ مار کی، اور وہاں کے کچھ باشندوں کو پکڑ لائے اور مراکش کے سواحل پر ان کو بیچا، اور وہاں سے وہ سلطان کے پاس پہنچے، جب ان لوگوں نے عربی سیکھ لی، تو انہوں نے اپنے جزیرہ کا حال بتایا کہ وہ کاشت کاری کے لئے زمین سینگ سے کھودتے ہیں، ان کے یہاں لوہا نہیں ہے، جو کھاتے ہیں، اور ان کے مویشی بھیڑیں ہیں، اور لڑائی میں پتھر کے ہتھیار استعمال کرتے ہیں، اور آفتاب کو پوجتے ہیں۔ اس کے بعد ابن خلدون کہتا ہے، اور صحیح کہتا ہے۔

ولا یوقف علی مکان ہذہ  
الجزائر الا بالعشور لا بالقصد

ان جزیروں کا صحیح پتہ نہیں معلوم، اتفاقاً وہ  
مل جاتے ہیں، اور بالاروہ نہیں ملتے،

(ص 45)

الیہا

اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ جہاز ہوا کا رخ جاننے اور ستاروں کی سمت معلوم



کرنے سواحل کے بحری نقشوں کی مدد سے چلتے ہیں

وهذا كله مفقود في البحر  
اور یہ تمام مسلمان بحر محیط میں مفقود ہیں  
المحيط (صف 45)

اسی لئے جہاز اس کے بیچ میں ہو کر نہیں چلتے، کیونکہ اگر سواحل کا منظر آنکھوں سے دور ہو جائے، تو واپس آنے کی راہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے، ساتھ ہی اس سمندر کی فضاء میں اس کے پانی کی سطح پر اتنے طارات رہتے ہیں جو جہازوں کو چلنے نہیں دیتے، اور آفتاب کی روشنی پہنچنے نہیں پاتی، اسی لئے اس میں راہ پانا اور اس کا معلوم ہونا مشکل ہے۔“  
(مقدمہ ص 45)

ان تمام قصوں کو ممکن ہے کہ دلچسپ کہانیوں ہی کی صورت میں تسلیم کیا جاتا لیکن آج کل امریکہ کے کو لمبس کی دریافت کی جو تنقیدی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں انہوں نے ان کہانیوں کو سنجیدہ تاریخ بنادینے کی سند پیدا کر دی ہے۔

## نئی تحقیقات

امریکہ کے انکشاف کی جو تنقیدی تاریخیں و قافو قفا لکھی گئی ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نئی اور پرانی دنیا میں کو لمبس سے پہلے سے تعلقات قائم تھے، ان تعلقات کی تعمیر میں کون کون سی قوموں نے حصہ لیا، اس کی دریافت تاریخی اور اثری ذریعوں سے اب تک کی گئی تھی، لیکن ابھی حال میں یارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر لیوونیر کی ایک کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اس کا نام ”افریقہ اور امریکہ کی دریافت“ ہے، اس میں نہایت واضح طور سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کو لمبس امریکہ کا پہلا دریافت کرنے والا ہرگز نہیں، موصوف نے امریکہ میں پرانی آنے والی قوموں کی

دریافت کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے، انہوں نے امریکہ کے پرانے باشندوں کی اصلی زبان کی فیلاولوجیکل تحقیقات کے ذریعہ سے یہ پتہ لگایا ہے کہ امریکہ کے باشندوں کی پرانی زبان و قفاو قفا کن کن زبانوں سے مانوس و متاثر ہوتی رہی ہے، وینیر صاحب چھپیس، انسانی زبانوں میں بآسانی گفتگو کر سکتے ہیں، اور امریکہ کی پرانی زبان کے بڑے ماہر ہیں، اس کتاب کا خلاصہ انگریزی رسالہ ”ورلڈ ٹوڈے“ فروری 26ء میں چھپا تھا، جس کا اعتراف المصطفیٰ اگست 26ء میں اور اردو ترجمہ معارف اگست 1927ء میں طبع ہوا۔

وینیر کی تحقیقات کا حیرت انگیز نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امریکہ کی اصلی زبان میں انگریزی فرانسیسی، ہسپانی اور پرتگالی زبانوں سے بہت پہلے جس زبان کے الفاظ ہیں، وہ عربی زبان ہے، یہ الفاظ ان کی تحقیق کے مطابق 1290ء کے قریب اس میں داخل ہیں اور کو لمبس نے امریکہ کی دریافت کا شور اس کے ٹھیک دو سو برس بعد مچایا ہے، وینیر نے کاغذی دستاویزوں سے ثابت کیا ہے کہ کو لمبس سے پہلے بحر اوقیانوس میں تجارتی جہاز رانی ہوتی تھی، مگر تاجر و سوداگر بادشاہوں کے ڈر سے اپنی ان بحری مہموں کو چھپاتے تھے۔

کو لمبس کے خود ذاتی بیانات بھی حقیقت کی پر وہ درری کرتے ہیں، وہ امریکہ کے تیسرے سفر سے واپسی کے بعد بیان کرتا ہے کہ اسے وہاں زنگی سوڈانی باشندوں سے سابقہ پڑا، بلکہ پہلے سفر کے بعد ہی وہ کہتا ہے کہ وہاں کے اصلی باشندوں نے اسے گئی (یعنی وہی مغربی افریقہ کے طلائی سکے جس کو ایک خاص مقدار میں تانبہ ملا کر بناتے تھے) دکھائی دیئے ”گو نینس“ اس وقت کی افریقہ کی زبان میں سونے کے ان ٹکڑوں کو کہتے تھے، جن کو شکل میں سونا ساحل گنی (غانہ) سے یورپ میں لایا جاتا تھا، قدرتی طور پر سونے کے یہ ٹکڑے دیکھ کر کو لمبس متحیر ہو گیا، کیونکہ وہ دراصل اسی سونے کا تھا، دانت اور قیمتی سامان کی تلاش میں یہاں تک آیا تھا، اس نے امریکہ کے باشندوں سے

دریافت کیا کہ انہوں نے وہ سونا کہاں سے پایا اس کے جواب میں انہوں نے کہا ”ہم نے یہ سونا کالے سوداگروں سے لیا ہے جو جنوب مشرق سے یہاں آئے تھے“ کو لمبس کو گمان ہوا کہ وہ سونے کی اصلی کان بتانے سے گریز کرتے ہیں، تیسرے سفر میں اس نے پھر وہی سوال کیا اور وہی جواب پایا اور آخر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ پرانے امریکیوں کے جواب درست تھے، ابتدائی گونینس جو فرانسیسی اور پر لگالی گنی ساحل سے لاتے تھے خالص سونے کے نہیں ہوتے تھے بلکہ غانہ والے اس میں اسی کے برابر تانبہ ملا دیتے تھے، جب کو لمبس کی لائی ہوئی گونینس کا کیمیائی امتحان کیا گیا تو اس میں سونے اور تانبے کا وہی تناسب نکلا جو غانہ (گنی) کے لائے ہوئے گونینس میں تھا۔

یہ طلائی ٹکڑے دراصل افریقہ ہی سے آئے تھے، ایسے ہی جو حبشی اس کو وہاں ملے، وہ افریقہ ہی سے آئے ہوں گے، جہازوں کے کپتانوں کے ہر سفر سے پایا جاتا ہے کہ ان کے لئے خلاصی حبشیوں کی موجودگی ضروری تھی، وہ بطور ترجمان استعمال کئے جاتے تھے، کو لمبس بھی ان میں سے چند کو پہلے سفر میں ساتھ لے گیا تھا، امریکہ جا کر اسے معلوم ہوا کہ ایسے حبشی وہاں پہلے سے موجود ہیں، یہی وہ لوگ تھے جن کو جنوب مشرق کے سیاہ سوداگر کما گیا تھا، انہی کے ساتھ غانہ کے سکے امریکہ پہنچے تھے، اور انہی کے ساتھ عربی الفاظ، عربی پودے اور عربی تہذیب وہاں پہنچی۔

پہلے آثار قدیمہ کے ماہروں کا یہ تہمایان تھا، اور اب زبانوں کے محقق بھی ان کے ساتھ مل گئے ہیں اور دونوں کا متفقہ دعویٰ ہے کہ امریکہ میں عربی تہذیب کا اثر کو لمبس سے بہت پہلے پایا جاتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نئی دنیا افریقی عربی تمدن سے بہت حد تک متاثر ہو چکی تھی،

امریکہ کی پرانی قوموں میں دو ممتاز نام ملتے ہیں ”ازت“ اور ”مایہ“ جو افریقہ کی عربی تہذیب کی حامل تھیں، معلوم نہیں ان کی اصلیت کیا ہے، مگر یہ نام صحیح عربی ناموں

کی تحریف معلوم ہوتی ہے، پہلا نام ازو ہے اور دوسرا نام معاویہ ہے ازو کی نسبت پہلے ہم لکھ چکے ہیں (۱) کہ یہ لوگ ابتدائے اسلام میں عمان سے افریقہ اور مدگاسکر کے بحری جہازوں میں تھے اور یہادری سے اپنے جہاز بحرِ بربرہ میں چلایا کرتے تھے۔

بہر حال رسالہ مذکور وینیر کی تحقیق کا خلاصہ آگے ان الفاظ میں دیتا ہے،  
 ”ازٹ اور مایہ کہ تہذیبیں دراصل امریکہ میں افریقہ کی عربی تہذیب کی نقلیں تھیں اور ان کا زمانہ 1150 سے 1200ء تک قرار دیا جاتا ہے“

ہم نے ”مغروین“ کے سفر کا جو زمانہ لکھا ہے، وہ اسی کے قریب قریب ہوتا ہے،  
 ”عربی تہذیب نویں صدی عیسوی میں اپنے معراج پر تھی اور 1100ء میں صحرائے اعظم کو عبور کر کے افریقہ کے مغربی مینڈیگو کا تجارتی صوبہ قائم کر چکی تھی، اس کے مقابل میں امریکہ کا صوبہ میچوکن<sup>(۲)</sup> تھا جو خلیج میکسیکو کے ساحل پر واقع تھا، عربی الفاظ کی آمیزش سب سے پہلے میچوکن میں پائی جاتی ہے، اور وہ الفاظ مینڈیگو کی زبان میں ملتے ہیں، اور یہ امر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ جو ایک تجارتی کارندہ یا سیاح استعمال کرتا ہے، مثلاً جادو، ادویہ، مذہب اور نظام حکومت کے متعلق“ یہ نتیجہ کہ مینڈیگو اور میچوکن کے درمیان آمد و رفت بھی لادبی ہے، ہر طرح تازہ تحقیقات سے اس کی تائید ہوتی ہے، ازٹ اور مایہ کی تہذیبوں کا ایک لخت انحطاط اس کا ایک اور ثبوت ہے، چونکہ یہ ایک طرح کی نوخیز تہذیبیں تھیں، جس وقت ان کا اپنے اصلی مرکز سے قطع تعلق ہو گیا ان میں تنزل آنا شروع ہو گیا، یہ امر کہ یہ تعلق صرف تجارتی تھا اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی تہذیب کا اثر میچوکن میں داخل ہو کر صرف تجارتی راستوں کے آس پاس ہی پایا جاتا ہے، اور یہ صرف خالص عربی کا اثر تھا، اگر مسٹر وینیر کی ان لسانی تحقیقات کے نتائج درست ہیں، تو ہم نے ان کی تصدیق کے لئے جو مقدمات گزشتہ صفحوں میں فراہم کئے ہیں، وہ بھی قابل قبول ہیں۔

(۱) عربوں کی جہاز رانی ص ۷۲ (۲) میکسیکو میں ایک ریاست بحر الکاہل ریاستک سے ملتی ہے۔

## پرانے عربوں کی امریکہ میں آبادی

اس نظریہ کو سن کر لوگوں کا جاسوال تھا کہ اگر یہاں کو لمبس سے پہلے عربوں کی آمدورفت تھی، تو امریکہ میں ان کے نشانات کیوں نہیں ملتے، اور ان کی کسی نو آبادی کا پتہ یہاں کیوں نہیں لگتا، مگر خدا کی قدرت دیکھیے کہ عین اس وقت جب یہ سطوریں زیر تحریر تھیں، امریکہ کے عربی اخبار ”الہدی“ نے ایک نیا انکشاف دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کی صدائے بازگشت سے دنیا گونج گئی، اور خود ہندوستان کے اردو اخبارات نے اس کے اقتباسات دسمبر 1930ء میں شائع کئے، براعظم امریکہ میں وہاں کی مذہب ریاستوں اور متمدن ملکوں کے علاوہ بہت سے ایسے پہاڑی مقامات، جنگل اور گاؤں ہیں جہاں اس براعظم کے پرانے باشندے آباد ہیں اور جو اب تک اپنی وہی پرانی قبائلی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جہاں تک اب تک کسی یورپین سیاح کے قدم نہیں پہنچے ہیں، خصوصیت کے ساتھ یہ مقامات میکسیکو کے علاقہ میں زیادہ ہیں، اخبارات راولی ہیں (۱)

”ایک شامی عرب تاجر میکسیکو کے چاپاس اور ہٹاسلا کے صوبوں میں پھیری کر کے سوداگری کا مال چھتا تھا، حال میں اتفاقاً اس کا گزرا ایک کوہستانی علاقہ میں ہوا جہاں آمدورفت جاری نہیں تھی، چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچا، وہاں ایک قبیلہ دیکھا، رات ہو چکی تھی، سوداگر نے اپنی زبان میں ان جنگلی باشندوں سے شب بھر رہنے کی درخواست کی، اس کے جواب میں ایک شخص نے عربی میں کہا کہ ہم لوگ تمہاری بولی نہیں سمجھتے، عربی سوداگر اس جنگل میں عربی زبان سن کر حیرت میں آگیا اس نے ان سے عربی میں گفتگو کی، اور انہوں نے کہا کہ وہ صدیوں سے اس جنگل میں آباد ہیں اور

(۱) المعظم دسمبر 1920ء والساء مورخہ 27 شعبان 1249ھ مطابق ۱6 جنوری 1931ء

عربی کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے“

سوداگر مذکور کا بیان ہے کہ یہ قبیلہ اب تک اپنے عربی رسم و رواج پر قائم ہے اور خالص عرب ہے، یہ خبر میکسیکو کی حکومت کو معلوم ہوئی تو اس نے ایک کمیشن اس عرب قبیلہ کی تحقیق حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا ہے۔

یہ قبیلہ چار سو برس سے زیادہ سے یہاں آباد ہے، اور دوسرے ہمسایہ قبیلوں سے الگ تھلگ زندگی بسر کرتا ہے۔

اس خبر سے جنرل فیہ نوٹیوں کے بیانات اندلس اور پرتگال کے عرب ”مغروین“ (فریب خوردہ ہماذرانوں) کی کہانیوں کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس سلسلہ کی اخیر خبر یہ ہے کہ لبنان کے میرانی فاضل انطون پو-ف بخارہ نے جنھوں نے میکسیکو میں سکونت اختیار کر لی ہے، مصر کے اخباروں میں پچھلے سال یہ اطلاع شائع کی ہے اور جو الفتح مصر مورخہ 30 جمادی الاولیٰ 1354ھ ص 246 میں چھپی ہے کہ وہ میکسیکو میں اپنی زمین واقع ریو کرسی (میکسیکو) میں کھدائی کر رہے تھے کہ ان کو دو معدنی ٹکڑے ملے جو تحقیق کے بعد عربی سکے ثابت ہوئے، اس دریافت کا وہاں کے علمی حلقوں میں بڑا چرچا ہے۔

### کو لمبس اور امریکہ

یہ تحقیق تو الگ رہی کہ مشوریوں ہی ہے کہ کو لمبس پہلا شخص ہے جس نے اس نئی دنیا کو پرانی دنیا سے ملایا مگر اس نے جو کچھ پایا اتفاقہ پایا کہ ع آگ لینے کو جائیں پیسیری مل جائے

کو لمبس ہندوستان اور چین کی تلاش میں تھا کہ امریکہ پہنچ گیا، کسی علمی استدلال سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا، اور بقول ایک اطالوی عالم ہیئت اور مستشرق کرونلینو کے کہ ”کو لمبس عربوں کی مقدار مسافت اور میل کے صحیح اندازہ کے نہ

جاننے کی مبارک غلطی سے امریکہ پہنچ گیا،“ فاضل اطالوی عالم کی اصل عبارت عربی کا ترجمہ یہ ہے،

”لاطینی کتابوں کے عربی ترجموں کے ذریعہ سے مامون نے ایک درجہ فلکی کی پیمائش کا جو اندازہ نکالا تھا یعنی 56 2۱3 میل، وہ یورپ میں بھی مشہور ہوا، اور جس طرح یونانی اور سریانی کتابوں کے عربی ترجمہ کے ذریعے سے یونانی میل کی مقدار نہ جاننے سے اہل عرب نے غلطی کی، اسی طرح چودھویں صدی اور پندرہویں صدی میں عربی میل کی صحیح مقدار نہ سمجھنے کے سبب سے اہل یورپ غلطیوں میں مبتلا ہو گئے، انہی میں کرسٹوفر کولمبس امریکہ کا پتہ لگانے والا بھی تھا، اس نے ایک درجہ کے 56 2۱3 عربی میل کو لاطینی 65 2۱3 سمجھ کر مغربی یورپ اور ایشیا کے مشرقی سواحل کی مسافت اس سے بہت کم سمجھی جو حقیقت میں ہے، اگر یہ غلطی نہ ہوتی، تو کبھی ممکن نہ تھا کہ مغربی یورپ سے اوقیانوس میں چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر صرف چند مہینوں کی خوراک لیکر چین پہنچنے کا تخیل کرتا۔ آخر اس سفر سے رک کر وہ اس غلطی کی بدولت امریکہ کے جدید براعظم پہنچ گیا، جس نے ایک نئے انسانی دور ترقی کا آغاز کیا، یہ غلطی کیسی مبارک تھی، جس نے دنیا کو عظیم الشان فوائد سے مالا مال کر دیا (۱)

کولمبس اس وقت ظاہر ہوا، جب اہل اسپین اندلسی عربوں سے آخری لڑائی لڑ رہے تھے، اور ان کو اپنے ملک سے نکال رہے تھے، اس کا زمانہ اسپین اور پرتگال میں گذرا، ایک معمولی سیاح سے جہاز راں تک پہنچا، وہ ہیئت جغرافیہ اور سفر نامہ کی کتابیں پڑھا کرتا تھا، ایک اسپینی خاتون سے شادی کی، اس ذریعہ سے اسپین کے ایک عیسائی خانقاہ کے جغرافیہ داں راہب سے ملا، پھر اس کا پیشہ یہ ہو گیا کہ وہ جہاز رانوں کے لئے

بحری نقشے تیار کر کے فروخت کرتا تھا اور بحری مسافروں اور جہازرانوں سے معلومات جمع کرتا تھا، عین اسی عربی اور اسپینی لڑائی کے زمانہ میں وہ ملکہ اسپین سے نئے جزیرہ اور نئے بحری راستوں کیلئے مدد کا طالب ہوا، اس زمانہ میں اسپین اور پرتگال کے عیسائی مورخوں (مسلمان عربوں) کو نہ صرف اسپین بلکہ تمام سواحل و جزائر سے نکالنے کیلئے ہر طرف بحری بیڑے بھیج رہے تھے، سواحل بحر محیط سے لیکر سواحل افریقہ سے یہاں تک کہ عرب اور ہندوستان کے سواحل تک سے عرب جہازرانوں کو لڑا کر نکال رہے تھے، اور ان سے بحری نقشے حاصل کرتے تھے، وہ سونے کی کان والے افریقی ساحل تک بھی گیا تھا، جہاں افریقی اور زنگی ملاح بھرت پرتگالیوں کو ملتے تھے۔

بہر حال اس زمانہ میں یورپ اور خصوصاً اسپین اور پرتگال میں علم ہیئت ہندسہ، جغرافیہ اور بحری سفر کے معلومات جو کچھ تھے، وہ عربی تصنیفات یا ان کے تراجم کے ذریعے تھے، جیسا کہ اس عہد کی تاریخوں میں مورخین نے بیان کیا ہے، اور اس طرح کو لمبس اپنے نظریہ کی ترتیب و تکمیل میں تمام تر عربوں ہی کی تحقیقات سے مستفید ہوا۔

(معارف مارچ و اپریل ۱۹۳۹ء)



# سفر گجرات

## سفر گجرات کی چند یادگاریں

جولائی 1933ء میں بڑودہ کی مجلس سیرت کے سلسلہ میں مجھے گجرات کے سفر کا اتفاق ہوا، اس خطہ کو ہندوستان کے تمام دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں چند خصوصیتیں حاصل ہیں، اول یہ کہ عرب اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا، دوسرے یہ کہ عرب سے جو علماء دریا کے راستہ سے ہندوستان میں وارد ہوتے تھے، وہ پہلے یہیں اترتے تھے، موقع ملتا تو آگے بڑھتے ورنہ یہیں سے لوٹ جاتے تھے، ہندوستان سے جو علماء عرب جانا چاہتے تھے، وہ اسی راستے سے سفر کرتے تھے اس صوبہ کے سیکڑوں دیہات حرمین محترمین کے مصارف کیلئے وقف تھے، دوسرے ملکوں سے جو نادر اور بطور تحفہ چیزیں یہاں آتی تھیں وہ پہلے یہیں پہنچتی تھیں، حج کیلئے ہر سال ہزاروں علماء امراء اور عام مسلمان اسی راہ سے منزل مقصود کی

طرف روانہ ہوتے تھے۔

اخیر زمانہ میں سلطان عالمگیر اور سیواجی کی سیاسی کشمکش کا میدان جنگ یہی خطہ تھا اور اس لیے سلطانی لشکر کا پڑاؤ اکثر یہاں رہتا تھا اور اس تعلق سے یہ صوبہ کبھی پورے ہندوستان کا دارالسلطنت بن جاتا تھا، اور ہر قسم کے اہل کمال اور ہر کارخ کرتے تھے۔

دکن و گجرات کے علاقے میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے، اور جو ہے وہ ہندوؤں کی کثرت، زور قوت، اور سیلاب تمدن میں غرق ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہندوستان کے علمی و مذہبی و سیاسی مرکز یعنی ہندوستان خاص سے وہ بہت دور ہے، اس لئے یہاں کے دیہاتوں اور قصبوں میں مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی، سلطان عالمگیر کی دور بین نگاہوں سے ان وجوہ و اسباب کا نتیجہ چھپانہ تھا، سلطان نے اس پورے علاقہ میں علماء صوفیہ، اور مذہبی معلمین کی قطار در قطار آباد کر دی، موزن خطیب، امام اور ملا (جو جانور شرعی طور سے ذبح کرتے تھے) موروثی مقرر کر دیئے، اور ان سب کیلئے وظائف اور سرکاری اوقاف معین کئے جو آج تک ان کے اخلاف کے قبضہ میں ہیں، وہاں کے دیہاتوں میں آج تک ان ہی ملاؤں کی اولاد اپنے اس فرض کو ادا کر رہی ہے، یہاں تک کہ کوئی ہندو بھی اگر جانور ذبح کرنا چاہتا ہے، تو یہ خون اسی کے ہاتھوں سے کراتا ہے، یہاں اب بھی ایسے سیکڑوں ہزاروں شریف خاندان آباد ہیں جو انہی مذہبی فرائض کیلئے یہاں آباد کئے گئے تھے اور ان کو اس کیلئے سرکاری اوقاف دیئے گئے تھے، جن پر وہ آج تک قاض ہیں، اور انہی کے بدولت آج انگریزی سرکار میں بھی ان کو عزت اور وقار حاصل ہے، اور مسلمانوں کی کچھ ممتاز صورتیں وہاں نظر آتی ہیں۔

### بھڑوہیج

جس کے کنارے دریائے نربدا بہتا ہے، اور جو آگے چل کر بحر عرب میں

مل جاتا ہے، عربوں کے جنگی و تجارتی آمدورفت کا مرکز تھا، عرب اس کو بروص کہتے ہیں 14ھ میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد میں جب اسلام کے ملکی فتوحات کا شباب تھا، ان کے جنگی جہاز اس ساحل پر آکر لگے تھے، سفر کے اثنا میں جب میں بھڑوچ پہنچا اور زبدا کے کنارے آکر کھڑا ہوا، تو تخیل کی آنکھوں نے تیرہ سو چھتیس برس پہلے کی تصویریں لگا ہوں کے سامنے کر دیں اور گو میں شاعر نہیں، تاہم جذبات کے تلاطم نے موزوں ترانہ کی شکل اختیار کر لی،

گرچہ تو ہندی ہے لیکن زادہ بحر عرب  
تیرے دروازہ پر ٹھہرا تھا، مراپہلا جہاز  
ہند میں اسلام کی تاریخ سے آگاہ ہے  
تیرے ساحل کا ہر اک ذرہ ہے اس کی یادگار  
چار صدیوں تک رہا، اسلام کا دمساز تو  
تیرے ساحل پر جب اترا تھا عرب کا کارواں  
اس سمندر کے گلے کی شہ رگ اعظم ہے تو  
اس تن آبی میں تیرا خون دوڑانا ہے کام  
عہد ماضی کی تیری عزت رہے باقی سدا  
ذرہ ذرہ پر تو خورشید ذی لولاک ہے  
مطلع انوار ذی النورینؓ ہے تیری جبین  
تیری موجیں کہنہ افسانوں کی سطریں بن گئیں

زبدا! اے زبدا! اس جاوہ بحر عرب!  
جانتا ہے تو مری تاریخ کا پوشیدہ راز  
تو گزشتہ کاروانوں کا نشان راہ ہے  
رشتہ ہندو عرب تجھ سے ہوا تھا استوار  
ہند میں اسلام کے انجام کا آغاز تو  
آج کس کو یاد ہے وہ داستانِ پاکستان  
تو ہے دریائی پری یا شاہدِ عالم ہے تو  
تیرا ہر قطرہ حیات نو کا اک سرشار جام  
اے بھڑوچ! اے خاتم انگشتِ رود زبدا  
تو تیاے چشمِ ظاہر آج تیری خاک ہے  
یادگارِ عہدِ خیر القرن ہے تیری زمین  
چشمِ عبرت کی نگاہیں جب تری جانب انھیں

یہ ترانہ اہل سر اور زید دم سے خالی ہے اسلئے اہل وجد و سماع اس پر کان نہ دھریں

## بھڑوچ کا ایک پرانا خاندان

بھڑوچ میں عہدِ عالمگیری کی یادگار ایک خاندان ہے جو یہاں مسندِ قضا

پر متمکن تھا، اس خاندان کے موجودہ چشم و چراغ جناب قاضی نور الدین شیرازی صاحب ہیں لب دریا ان کا فضیلت کدہ یادگار زمانہ ہے ایک موروثی کتب خانہ ان کے اسباب زینت میں ہے، افسوس ہے کہ اس وقت قاضی صاحب موجود نہ تھے، اس لئے میں کتب خانہ کی سیر نہ کر سکا، مگر میرے ایک عزیز نے ان کا کتب خانہ دیکھا ہے، اس کے حسب ذیل نوادر کا حال مجھ سے بیان کیا،

## اس خاندان کے چند نوادر کتب

(1) شرح مشنوی مولانا روم (?) جلد پنجم آخر میں ہے،

”ذو القعدة 1090 ہجری میں بسنت رائے نے قصبہ چمھر ہٹ

سرکار خیر آباد میں تحریر کیا“

(2) حدائق (۱) البحر فی وقائق الشعر مؤلفہ محمد بن محمد بن عبد الجلیل العری بہ رشید و طوایف

آخر میں ہے،

”تم الكتاب بعون الملك الوهاب وحسن توفيقه على يد العبد

الضعيف محمد الحافظ الهروي، تحريراً فی يوم الاثنين ثانی عشر من ربيع

الأول ۸۶۲ھ اثین و ستین و ثمانیة الهجرية النبویة بد ار السلطنة شیراز بزمان قید“

(3) المحيط للسرخی جلد ثانی جمع الامام الهمام مولا نارضی اللین محمد بن

محمد بن محمد سرخسی الحنفی، آخر میں ہے

”كان الفراغ من كتابته فی يوم الرابع ذوالقعدة ۹۰۹ھ كاتب علی بن علی بن

(۱) یہ کتاب ایران میں چھپی ہے اور ملتی ہے۔

رمضان العبادى الشافعى الازهرى

(4) گلستان، متوسط تقطیع اور معمولی خط نسخ،

مصنف کے اصل نسخے سے یا قوت مستعصمی نے اور اس نسخے سے حکم  
جہانگیر سید جلال الدین بخاری نے اور اس سے سید محمد بن سید زین العابدین بن سید احمد  
حسن رضوی نے 1219ھ میں نقل کیا،

(5) مخازن المعروف جلد ثانی، شرح مشکوٰۃ فارسی، از کتاب الزکوٰۃ تا کتاب البیوع  
دوسری تیسری اور چوتھی جلد ہے،

صفحہ اول مطلقاً ہے، تقطیع کلاں، اسپر خواص خاں غلام فرخ سیر بادشاہ غازی  
کی مر 1225ھ ہے، ابو معروف حسین 1112ھ بھی تحریر ہے،  
مدرسہ دارالارشاد احمد آباد میں بھی رہ چکی ہے،

(6) کتاب الخلاصہ (خلاصۃ الفتاویٰ) مولفہ طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری ناقص  
از وسط تقطیع کلاں مختلف نسخ شدہ مہریں ہیں آخر میں ہے،

”تم کتاب الخلاصۃ من املاء الشیخ محمد بن محمد بن  
نصر المدعو ابو حافظ البخاری علی ید افقر عبیدہ محمد المدعوا  
صفی الدین بن محمد الخطیلی ولد ابن حسین بن علی بن محمد بن  
احمد فی دولة المملک محمد بن مراد بن سلیم بن سلیمان بن سلیم  
بن بایزید بن شہور سنة ثلاث بعد الالف ۱۳۰۳ھ نقل من نسخة  
تاریخها يوم الجمعة العشرين من شهر ربيع الاول سنة ثلاث وتسعين  
سنة مایة“

(7) مجمع البحرين ”ترجمہ“ اپچھت پرم ہنس ”از اتمرین وید“ فارسی، شاہ سرمد

نے 1136ء میں سنکرت سے ترجمہ کیا، کتاب مندرام، ولد اننت رام، خط فارسی  
تعلیق 13x تقطیع صفحات 82،

## ہندوستان کی سب سے پرانی مسجدیں

قاضی صاحب کے عزیز خاص جن کو حکومت برطانیہ سے سردار صاحب کا  
خطاب حاصل ہے، وہ موجود تھے، ان کا دولت کدہ بھی گزشتہ جاہ و جلال کا کہنہ مرتفع تھا،  
موصوف نے اپنے خاندان کے پرانے ہتھیاروں کی سیر کرائی ان کی عمارت کے سلسلہ  
میں ایک چھوٹی سی معمولی مسجد ہے، جس پر 430 کا یہ کتبہ لگا ہے۔

هذه العمارة القديمة فى شہور 430ھ

اس کتبہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ بعد کو لگایا گیا ہے، بہر حال اس کی کوئی  
تاریخی سند اگر موجود ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس صوبہ کے اسلامی فتوحات سے پہلے  
کی یادگار ہے یا یوں کہئے کہ محمود غزنوی کے حملہ گجرات سے چند سال بعد کی ہے، جو  
بہر حال کوئی مستقل فتح نہ تھی۔

اس کے بعد اس شہر میں اسلام کی ایک اور قدیم یادگار وہاں کی سنگی جامع مسجد  
ہے، اس جامع مسجد کی اصل تعمیر کا کتبہ 458ھ ہے، بعد کو محمد تغلق کے عہد میں  
721ھ میں دروازہ کے اوپر ایک گنبد کا اضافہ کیا گیا ہے، گنبد سنگ خارا سے بنایا گیا ہے،  
اور اس پر حسب ذیل کتبہ لگا ہے۔

”در عہد دولت سلطان عالم غیاث الدین والدین محمد تغلق ہفت و صد و ہست

دیک“

غالباً ان مسجدوں سے زیادہ پرانی کوئی دوسری مسجد ہندوستان میں نہ ہوگی،

## الکھشور کا ایک خاندان

بھڑوچ سے قریب ہی ایک پرانا قصبہ الکھشور نام ہے جو سورت کے سفر میں کبھی پنج کی ایک منزل تھا، یہاں بھی عہد شاہی کی یادگار ایک خاندان آباد ہے خاندان کے بانی شاہ عبدالعلیم صاحب ہیں، حواکبر کے معاصر تھے 1005ھ میں انہوں نے وفات پائی ہے، ان کی خانقاہ و مسجد یہیں واقع ہے، خاندان کے موجودہ جانشین کا نام سید حیدر علی غلام علی انعام دار ہے، موصوف کے پاس خاندان کی پرانی آبرو کی سند پرانی کتابوں کی ایک الماری ہے، اس میں چند عربی کی اور باقی فارسی تصوف کی کتابیں ہیں، ہجراتی اردو میں بھی بعض کتابیں نظر آئیں۔

## اس خاندان کے چند نو اور کتب

عربی کتابوں میں سب سے زیادہ چیز یہاں قدیم طب کی ایک کتاب تقویم الادویہ ہے اس کا سال کتابت 588 ہے نسخہ خط عرب شیرہ خرما سے لکھا ہوا ہے اور اب تک اچھی حالت میں ہے۔

## حقہ کی تاریخ

یہاں ایک مجموعہ میں ایک صفحہ پر چند واقعات کی تاریخیں لکھی ہوئی نظر آئیں، جن میں سب سے اہم ہندوستان میں حقہ کے رواج کی تاریخ ہے، یہ تاریخ ’’شیخ بنی‘‘ کے الفاظ سے نکالی گئی ہے جس سے 1029ھ نکلتے ہیں، چونکہ یہ چیز رات ہی کے راستہ سے ہندوستان میں وارد ہوئی ہے، اس لئے عجب نہیں کہ تاریخی ن صحیح ہو 1129 جہانگیر کا عہد ہے

## بنائے سورت کی تاریخ

ہجرات کا دوسرا مشہور دریا جو بحر عرب سے جا کر ملتا ہے، دریائے تپتی ہے



اس کے کنارے پر شہر سورت آباد ہے، اور دوسرے کنارے پر راندھیر پہلے بحر عرب میں جانے والے جہازوں کا بندرگاہ راندھیر تھا، مغلوں کے شروع عہد میں اس کے بجائے سورت کی آبادی بڑھی، اور وہ ہندوستان کا سب سے بڑا بندرگاہ بنا، اس قلمی یادداشت میں اس بندرگاہ کی آبادی کی تاریخ 937ھ نظر آئی، تاریخ کا مصرع یہ تھا:

ع:- باد آباد بندر سورت

راندھیر جس کو پہلے رانیہ کہتے تھے، اسلام کے قدیم فتوحات میں ہے، اس یادداشت میں اس فتح کی تاریخ ایک قدیم مسجد کے کتبہ سے حسب ذیل بتائی گئی تھی۔

ہمارا مسجد بجائے کنشت      بر ایوانش انا فتحنا نوشت  
(۵۹۱ء)

## راندھیر کی پرانی مسجد

چند دوستوں کی دعوت پر راندھیر جانے کا بھی اتفاق ہوا، یہ دولت مند دیندار مسلمان تاجروں کا مسکن ہے، اور دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس قصبہ میں جس قدر خوبصورت اور عمدہ اہتمام کے ساتھ مسجدیں دیکھنے میں آئیں، پورے ہندوستان میں کہیں نہیں آئیں، ان مسجدوں میں سے ایک قدیم مسجد چونادوارہ ہے، یادداشت مذکور میں اس مسجد کی بنا کی تاریخ یہ لکھی تھی:

گر کسے پر سد ز تو نافع از میں معبد شریف      گو مسی مسجد اعلیٰ و در باب شریف  
795ھ

گجراتی ہندوی کے بعض کتابیں بھی اس خاندان کے ذخیرہ میں دکھائی دیں، جن میں سے درج ذیل کتابیں ذکر کے قابل ہیں۔

## لغت عربی و ہندی

عربی اور ہندی یا ہندوستانی کا ایک نعت ملا، جس کے شروع کے چند شعر یہ ہیں

اللہ خدا ہے	کرتار	الخالق	آفرید	سرجن	بار
الدنیا	کستی	الاحق	نادان	عنوان	
الجنّت	بہشت	السرّ	دوزخ	مرگ	
اليوم	روز	الشعر	موے	کیمیں	
اللیل	شب	القول	گفت	بات	
السبیل	راہ	السبع	ہفت	سات	
الاسم	نام	الموضع	دیہ	گاؤں	
الظل	سایہ	المقام	جایعہ	ٹھانوں	
الراس	سر	العشرین	بہت	بیس	
العين	چشم	الحيہ	ریش	پانکھ	
الاذن	گوش	الورق	برگ	پان	
الطعام	خوردن	السهم	تیر	بان	

### آخری حصہ :-

الفرح	خوشی	بلاس	القنوط	نامید	نراس
الفخذ	ران تہی	جانگ	الجسم	تن ہے	آنگ
المورد	آب خورا	درارہا	السر	افسانہ	پواڑا
الکدر	تیرہ	گدلا	النقیم	ناپنا	اندلا

مصنف اور تصنیف کا زمانہ مذکور نہ تھا

اسی قسم کا ایک عربی لغت بردر عزیز سید نجیب اشرف ندوی کی ملکیت میں ہے، مگر وہ اس کے علاوہ ہے اس کے ابتدائی شعر یہ ہیں

الالہ	پرستیدہ	پوجیا	المعلوم	دانستہ	پوچھیا
الحمد	ستودہ	بھانیا	المعروف	شناختہ	بھانیا
الرسول	فرستادہ	بھجیا	الواضح	روشن	تجیا
الال	ودمان	کنیہ	التقود	خوشہ	لونیا

معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ گجرات میں عرب اور ایرانی کثرت سے آیا کرتے تھے اس لئے ان کو ہندی سے آشنا کرنے کے لئے اس قسم کے لغت یہاں لکھے گئے ہیں۔

## رسالہ فقیری چہار پیر چودہ خانوادہ

اس رسالہ کا آغاز ان لفظوں سے ہے،

بدانکہ بوجھ توں یہ رسالہ فقیری حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا، زید پوچھے ویسے وگرنہ تو فقیری نہ کرے۔

سوال اگر تیرے پوچھے کہ اول فقیری کیا ہے، و آخر فقیری کیا ہے، اور خانہ یعنی گھر فقیری کیا ہے، اور کیلی فقیری کیا ہے اور لقمہ فقیری کیا ہے۔

اسی قسم کے سوال و جواب پر رسالہ کے اکیس صفحے ختم ہوئے ہیں، تصنیف

و مصنف کے ذکر سے پوری خاموشی ہے۔

## رسالہ فقہ ہندی

یہ فقہی مسئلوں کے میان میں ایک نظم ہے 'آغاز کے اشعار یہ ہیں

لائق حمد ثنائے کے اور کونہ جان	حمد و ثناء سب رب کوں خالق کل جہاں
جو کچھ بھیجا رب نے سب ہم کیا قبول	علم شریعت نال وی بھیجا پاک رسول
نبی محمد مصطفیٰ تسوں ہوں خوشنود	یارب اپنے کرم سوں یکتہ بھیج درود
تس پیچھو! حباب پر بہت درود سلام	پیچھو ان کی آکل پر اور اصحاب تمام
فقہ ہندی زبان سے بوجو کر دیقین	کیئے مسئلے دین کے عہد رکھے امین
عربی ترکی فارسی ہندی یا افغان	مطلب مسئلے پوچھنا جو کچھ ہوئے زباں

اس کے بعد فقہی ابواب ہیں اور ان کے تحت میں ہر قسم کے مسائل ہیں 'خاتمہ میں تصنیف کا سال 1075ھ بعد اور نگزیب عالمگیر صاف بتایا گیا ہے 'خاتمہ میں ہے۔

فقہ ہندی کوں مومنوں کرو زبان پر یاد	مسائل لوین دین کے کبھی نہ ہوئے فساد
سنہ ہزار پچھتر <sup>۱۰۷۵ھ</sup> پچہ ماہ رمضان تمام	اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا تمام

اس فقہی نظم میں خاص چیز نظم کا وزن ہے 'جو عربی فارسی کے بجائے ہندی وزن کی پیروی میں ہے 'اس نظم سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ پرانے لوگوں کے زمانے میں ہندی کس کو کہتے تھے۔

### داستان حضرت ماہر رمضان

اس نظم میں ماہر رمضان کی فضیلتوں کا ذکر ہے 'مصنف کا نام بدیع الدین ہے 'شروع کے شعر حسب ذیل ہیں۔

سرنامہ از نام سبحان لکھوں      کہ دل کی ورق پر سجل کر لکھوں  
 زبان کو ہے جو ہر اسی کو ثنا      اسی کو سو قدرت ہے جگ میں عیاں  
 کریم و رحیم و وہ غفار ہے      کرم عاصیاں پر کر نما رہے  
 زہر چیز اس کی صنعت کا بیاں      کہ پیدا کیا جن نے الارض و سما

آخر میں لکھا ہے۔

کرو اس کی سب نعمتوں پر شکر      مصیبت کے اوپر حکم ہے صبر  
 کہ تا عاقبت تیری ہووے بھلی      کہ شادی و غم جگ میں جاے چلی  
 بدیع الدین تعریف عمل کی کرو      کہ چھوٹک کی جس سین توقع دھرو

اس نظم کی خصوصیت خاص فارسی آمیز ترکیبیں اور قافیوں میں صرف صوفی ہم رنگی ہے  
 عربی الفاظ حکم اور صبر وغیرہ کو اس طرح باندھا ہے جس طرح ہندی میں بولے جاتے ہیں۔

## داستان قیامت

اس نظم کا شروع ان اشعار سے ہے

خن ہے مرا جوں گل بوستان      نصیحت کی باتوں سنو داستان  
 لباس مسلمان کھاتے ہیں دوست      کہ کھاتے ہیں سب گائے بھری کا گوشت  
 لباس شریعت کریں تن میں      شریعت کی باتاں نہ کچھ من میں  
 بوی ریش تسبیح خوش پیر ہن      بھری دل میں نکلیں بھات کے مکرو فن

آخری شعر میں اس نظم کا سال 1077ھ (7) بتایا گیا ہے۔

سنہ ایک ہزار دستور نے سو      لکھی یہ حکایت کتابوں کی رو  
 بتاریخ غرہ دریں ماہ پیر      باتمام آن شد مدد دستر

## فقہ مبین

یہ نظم فقہ کے مسائل میں ہے آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

بنام پاک ربِّ العالمین سوں	شروع کرتا ہوں فقہ مبین سوں
حقِ منفر مقبول مرسل	بسھی عقدہ فقہ کے مجھ پہ کر حل
مسائل فقہ کے ہیں اصل ایمان	جو نہیں بوجہ سودہ کیوں ہوئے مسلمان

اس کے بعد اپنے تمام 40 ماخذوں کا نظم میں ذکر کیا ہے، پہلے ایمان کے مسائل پھر طہارت، وضو، غسل وغیرہ اس کے آخر میں بدعت کا رد اور جوئے کی برائی ہے آخر میں ہے۔

یقین فقہ المہین کوں کرتے فحتوم	حق دین پناہ آل معصوم
صد د ہشتاد و دو الف ۱۱۸۲ ہجری	بتاریخ ہمایوں گشت تمت
اگھیارہ سو میں اسی لوپر دو	سنہ ہجری نبیوں کے بتایو

رسالہ کے آخر میں خاتمہ کی عبارت ہے،

نسخہ قوت دیں فقہ المبین تصنیف حضرت شاہ یقین رحمۃ اللہ علیہ

اس سے مصنف کا نام شاہ یقین، کتاب کا نام قوت دین المبین، اور تصنیف کا سال 1182 معلوم ہوتا ہے،

## مثنوی کتخانی

کسی رسم شادی کی تعریف و توصیف میں ہے، رسالہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

ثناء وہ ہے درگاہ یزداں وہ خالق سب کا ہے کیا جن وانساں  
 ثناء و حمد کے لائق سدا ہے سزا وار او خدا کی کا خدا ہے  
 محمد اشرف اولادِ آدم حبیب و سرور و سردار عالم  
 شہِ آدم محمد سرور دیں کہ ختم الانبیاء ﷺ ہیں رہ بردین  
 ہوا جس شان میں لولا کہ در دیکھوں محبوب کا رتبہ ہے شاہد

اس کے بعد خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدح اور امان علیہا السلام کی تعریف میں  
 چند شعر ہیں اس کے بعد نکاح کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

شروع کرتا ہوں اب شادی کی تعریف نزاکت سیں لکھوں میں اس کی توصیف  
 میاب کیا سلمان اظہر لباس وزیور ولولو وگوہر

اس کے بعد ان سرخیوں کے ماتحت چند باب ہیں در وصف الطعام در وصف الخمر در  
 وصف برون برات در وصف شہر گشت در وصف نکاح خوانی در بیان خلوت خاتمہ اس  
 پر ہوتا ہے۔

خن کو مختصر کاں تک لکھے گا یہ ہے طومار آخر کوں تھکے گا  
 بعثرت عیش بادا سازداری مری یو مثنوی ہے یادگار  
 شب بخت و دوم ازماہ رجب کہ شادی ہو شہر گشت ہے شب  
 سنہ ہجری درال وقت بود موجود ہزار ویک صد و کسعین ویک بود

آخر شعر سے تصنیف کا سال 1191ھ معلوم ہوتا ہے وزن سے حرفوں کا

گر ناس وقت معیوب نہ ہوگا

## وفات نامہ حضرت نبی ﷺ

### آغاز

ہاں اول کروں حمد خدا میں      زباں اوپر آپس کی ابتداء میں  
کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت      ہاں کر جگ دکھایا اپنی حکمت

فتح کا ایک شعر ہے جس میں زبان کا نام دکھنی بتایا گیا ہے۔

مجھے توفیق دے یا رب کہ بولوں      ہاں ہجر نبی دکھنی میں کھولوں  
تصنیف کا سال معلوم نہیں کمات کا سال 1251ھ ہے

### قصہ بانو

اس مثنوی میں ایک قصہ بیان ہوا ہے جس کے متعلق شاعر کا دعویٰ ہے کہ یہ قصہ پہلے  
فارسی میں تھا اور اب دکھنی میں اس کو نظم کیا جاتا ہے

عزیزاں روایت سنوں کان دھر      اول فارسی تھی یہ دکھنی دگر  
اتھا گودڑہ ایک شر کا جو نام      ہمیشہ فتح کا اتھا وان مقام  
بٹھے ایک دن اس جمعہ مسجد نے      اتھے خرد بزرگ اوسارے بنے  
دتے ہیں مسافر نیا آن کر      سلام علیک کہہ کے بیٹھا مگر  
پوچھے سب نے ان کو تو کاں سے آیا      شر ہے دور ہے نام محمد حیا  
لگا بولنے کوں لوپوں سن کے بات      زلیخا کا قصہ اونوں کے سنگات  
مگر ساری مجلس نے سن کر کلام      لگنے بولنے آفریں سب تمام

فتح شاعر کا تخلص ہے آخر میں ہے۔



فتح مختصر کر تو اپنی زبان کہاں تک تو لکھے گا اس کا بیان

زمانہ معلوم نہیں، تاہم اس کے بعض الفاظ خاص لحاظ کے قابل ہیں ”تھا“ اور ”تھے“ کی جگہ ”اتھا“ اور ”تھے“ اور کی جگہ او، تین کی جگہ نے کہاں کی جگہ کاں وہ کی جگہ ”او“

## قصہ سوداگر عجم

یہ نظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت کے بیان میں ہے آغاز اس طرح ہے۔

ثناء اور حمد مولا کی صبح و شام کرتا ہوں دروداں مصطفیٰ لور دل و جاں میں پڑھتا ہوں  
دروداں حمد کے پیچھون حمایت اک کہوں نادور عزیزاں تم سنوں اسکوں رکھوں دل کو تمیں حاضر

آخر میں تاریخ ہے۔

۱۱۵۶

گیدہ سولہ پرچھن برس غزنی تھی حضرت کے تبھی تصنیف میں آئے خوارق پیر حضرت کے  
توجہ رحمت اللہ پر کرو تم اب شہ پڑاں صنائی باطنی ہوئے اے اے حضرت میراں

## خالق باری

ہمارے فارسی و ہندی ادبیات میں خالق باری کی تاریخ ایک معما ہے اس کی تصنیف کی نسبت امیر خسرو کی طرف مشہور ہے، لیکن محققین کو ہمیشہ سے اس میں شک ہے، تعجب کی بات ہے کہ اس کا کوئی قدیم نسخہ اب تک نہیں ملا ہے اس کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ نظر آیا، لیکن وہ بھی قدیم نہیں رسالہ تاریخ سے گو معرا ہے مگر اس کے نستعلیق خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سوا سو برس سے زیادہ عمر کا نہیں۔

خالق باری کے پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں ایک لفظ ملتا ہے، جو بدایا ہوا پڑھا جاتا ہے،

ع واحد ایک بڑا کرتار

مسلم یونیورسٹی کے سلسلہ تصنیفات خسرو میں جو نسخہ چھپا ہے، اس میں یہ لفظ ”بدا“ چھاپا گیا ہے، اور اس کے نیچے ”ع“ لکھا گیا ہے لیکن عربی میں بدا کرتار کے معنی میں میرے پندار میں نہیں آیا ہے، معلوم نہیں فاضل محشی کے پاس جو عربی اور سنسکرت دونوں کے فاصل ہیں، اس کی سند کیا ہے، موجودہ نسخہ میں یہ لفظ بڑا لکھا گیا ہے، لیکن یہ بھی مہمل ہے بعض مطبوعہ نسخوں میں ”خدا“ چھپا ہے، اور شاید یہ صحیح ہو۔  
زیر بیان نسخہ میں اول تو کچھ اشعار زیادہ معلوم ہوئے، دوسرے یہ کہ افعال اور ضمائر میں قدامت زبان کی جھلک دکھائی دی یہ تین شعر نئے معلوم ہوئے، جو مطبوعہ نسخہ میں مجھے نہیں ملے۔

چوں پرستی خسروہ کیست، جو کا بھائی ہے	در خسرو سی جا کو باپ جن دی جاتی ہے
رخت اندر گوش خود سیما دی بورا بیا	چہ پچک روئی گالا، جسم تن آمد۔ کیا
واں نہالی بسز با لیس تکیہ اے جوان	غلط بالا۔ لیٹ اوپر اس مچھاؤ۔ گستر آن

حسب ذیل شعر ایشیا نیک سوسائٹی بنگال کے قلمی نسخہ سے مطبوعہ کے تتمہ نمبر 184 میں اس طرح چھپا ہے۔

عطر چھینک، شاخ سینک، کفش گرہے کفش دوز  
گازرو خیاط ہے، دھوئی و درزی جامہ دوز

پہلے مصرع کا وزن صحیح نہیں معلوم ہوتا، فاعلاتن کا دوسرا اور تیسرا رکن کم

ہے، 'پیش نظر نسخہ میں یہ غلطی نہیں، پھر دوسرے مصرع میں قافیہ دوز مکرر ہے جو درست بھی نہیں اور جامعہ دوز تو خیاط' اور درزی کے تقابل کے بعد بے معنی سا ہے، 'پیش نظر نسخہ میں یہ شعریوں ہے۔

عطر چھینک و شاخ سینک و کفش گر ہے کفش دوز  
گازر و خیاط ہے دھوبی و درزی دیس روز

اس کے بعد تترہ نسخہ مطبوعہ نمبر 185 میں ہے

وانکہ بد نخت ست بھاگ نخت بھاگ فارسی آمد سرد و ہندومی گویند راگ

اس کا پہلا مصرع شروع میں غلط ہے دوسرا کن ٹوٹا ہے اور تیسرا کن غائب ہے، چار بار ناعلا تین کے جائے تین ہی بار ہے، 'پیش نظر نسخہ میں یہ غلطیاں نہیں

وانکہ بد نخت ست بھاگ نخت در و کس است بھاگ  
فارسی آمد سرد و ہندومی گویند راگ

مطبوعہ نسخہ میں ہے

ع، طعم سولا، و طعام خورش جو کیسے کھانا

'پیش نظر نسخہ میں طعم کی جگہ "مزہ" ہے، جو زیادہ بامزہ ہے،

مطبوعہ میں ہے،

درد و مردارید موتی جانے ہم صدف پیی، سندرم مانے

پیش نظر قلمی نسخہ میں دوسرا مصرع یوں ہے

ہم بدرانی گلے پیچھائے

اس قسم کے اختلافات اور بھی ملیں گے، لیکن اہم چیز ضمیر کا معاملہ ہے، مطبوعہ نسخوں میں لوگوں نے زمانہ، مابعد کی ضمیریں کر دی ہیں، مثلاً، قدیم ”توں“ کی جگہ ”جدید تو“ بہت پرانی زبان میں متکلم ”ہوں“ تھا، جواب بھی ہونا ہے واحد متکلم کا صیغہ ہے، حضرت خواجہ فرید شکر گنج 584 میں پیدا ہوئے اور 670 میں وفات پائی اور امیر خسرو نے جن کی طرف یہ خاق باری منسوب ہے 525ھ میں وفات پائی ہے، غرض دونوں کا زمانہ کچھ ہی آگے پیچھے ہے، حضرت خواجہ شکر گنج کا جو فقرہ میں نے اپنے مضمون ”ہندوستان میں ہندوستانی“ کے عنوان سے شائع کیا ہے، اس میں واحد متکلم اور واحد مخاطب کی ضمیریں ”ہوں“ اور ”توں“ استعمال ہوئی ہیں، بعینہ یہی دونوں ضمیریں پیش نظر نسخہ میں ہیں، مثلاً

خواہم	گفت	کہوں	گا	ہوں	خواہم	کرد	کروں	گا	ہوں
خواہی	آمد	آوے	گا	توں	خواہی	نشت	بٹھے	گا	توں
خواہم	دید	دیکھوں	گا	ہوں	خواہی	دید	دیکھے	گا	توں
خواہم	داو	دہوں	گا	ہوں	خواہی	داو	دیوے	گا	توں
خواہم	دوید	دوڑے	گا	ہوں	خواہی	دوید	دوڑے	گا	توں

مطبوعہ نسخہ میں ”ہوں“ کی جگہ ”میں“ اور ”توں“ کی جگہ تین ہے، سفر گجرات کی کچھ اور باتیں بھی بیان کرنی تھیں، مگر دیکھتا ہوں کہ قلمی سفر

بھی خاصہ طویل ہو گیا ہے، ہم سفر ناظرین کے ممال راہ کا اندیشہ ہے، اس لئے قلم کی  
 باگ بیس روک لی جاتی ہے،

(معارف ستمبر 1936ء)

# تقریر مشرقی پاکستان

(بنگلہ دیش)



## تقریر مشرقی پاکستان

### پاکستان کو ہر چیز نئی بنانی پڑی

یاران بزم تاریخ! مشرقی پاکستان میں بزم تاریخ (ہسٹاریکل سوسائٹی پاکستان) کا سب سے پہلا اجلاس ہے، اس عظیم الشان تاریخی موقع پر آپ نے صدارت کے فرائض کا بوجھ مجھ پر رکھا ہے اس سے میرے حقیر خدمات پر جو اعتماد آپ نے کیا ہے اس کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ حقیقت آپ کو معلوم ہے کہ تقسیم سے پہلے جس قدر علمی تحریکات اور علمی ادارے ہندوستان میں قائم تھے وہ کل کے کل بھارت میں رہ گئے۔ جس طرح پاکستان کو اپنے سیاسی اور انتظامی اور حکومتی انتظامات کو از سر نو قائم کرنا پڑا۔ اسی طرح علمی میدان میں بھی اس کو ہر چیز نئے سرے سے قائم کرنی پڑی ہماری مشہور درس گاہیں، ہماری یونیورسٹی، ہمارے کتب خانے اور سارے ادارے ہندوستان میں چھوٹ گئے جو اب بھارت کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں اور پاکستان آکر یہاں پھر ہر چیز نئی بنانی پڑی اور خدا کا شکر ہے کہ پانچ برس میں بہت کچھ انجام پایا ہے اور پارہا ہے ہر جگہ درس گاہیں قائم ہو رہی ہیں اور گورنمنٹ اور قوم دونوں اپنی اپنی کوششوں میں مصروف ہیں۔

### مسلمانوں کی قوت تعمیر و تنظیم

پاکستان کے مسلمانوں کو اپنے تمام اداروں اور علمی و تعلیمی مرکوزوں کے چھوٹنے پر مایوس نہ ہونا چاہیے بلکہ ان کو اس ماحول کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس نے ان کو اپنے نئے ملک میں ہر چیز کو نئے سرے سے بنا کر دنیا کے سامنے ان کو اپنی قوت تنظیم



اور قابلیت حکومت کے مظاہرہ کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ مسلمان پسنائے عالم میں پھیلے اور ہر جگہ ان کو اپنا ہر کام از سر نو کرنا پڑا۔ وہ ویرانوں میں پہنچے اور ان کو معمورہ عالم بنایا۔ عرب کے ریگستان سے لیکر عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ، اسپین اور دوسری طرف ایران، ترکستان، خراسان ہندوستان ہر جگہ انہوں نے اپنی تنظیمی و تعمیری قوت کا مظاہرہ کیا۔ دیہات بسائے، قصبے بنائے، شہر تعمیر کئے اور اس طرح ہر ملک کو جو ان کے علم کے نیچے آیا اس کو آباد کیا اور اپنے تمدن اور معاشرت و ثقافت کے مطابق ایسا بنایا جس کی مدح ستائش تاریخ کی زبان سے آج بھی سنی جاسکتی ہے۔

## ہندوستان کی تعمیر میں مسلمانوں کا حصہ

خود ہندوستان کی مثال آپ کے سامنے ہے، جہاں اسلام کی کوئی چیز نہ تھی۔ مسلمانوں نے یہاں آکر اپنے تمدن و معاشرت و ثقافت کے ہر مظہر کو نمایاں کیا۔ اگر صرف ایک ہی چیز سامنے رکھی جائے اور کوئی اسکا راس کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنائے تو عظیم الشان اور ناقابل انکار نتائج کی امید ہے اور وہ یہ ہے کہ سارے ہندوستان کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں پر جو اس وقت آباد ہیں یا جن کا نشان ہندوستان کی اسلامی تاریخوں میں ملتا ہے ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان کی آباد کاری کیا تھی اور مسلمانوں نے اپنی آمد کے بعد کتنے دیہات، کتنے قصبے، کتنے شہر آباد کئے اور ان کو کس طرح علمی و تعلیمی و تمدنی عمارات سے معمور کیا، اگر آج ہندوستان کے دو نقشے بنائے جائیں۔ ایک ہندوستان قبل اسلام کا اور ایک ہندوستان بعد از اسلام کا تو معلوم ہوگا کہ اسلام سے پہلے یہ ملک کتنا بخر اور غیر آباد علاقے رکھتا تھا اور مسلمانوں نے ان کو کتنا آباد اور معمور کیا۔ سارے صوبوں کو چھوڑ کر اگر صرف دہلی سے عظیم آباد پنشنہ تک کا ہی علاقہ آپ دیکھیں اور اس میں دیہاتوں، قصبوں، شہروں اور دارالحکومتوں کو گنیں تو معلوم ہوگا کہ مسلمان آباد کاری نے کتنا عظیم الشان کام اس

ملک میں انجام دیا ہے۔ ریلوے لائنوں پر جو آبادیاں واقع ہیں ان کے ناموں پر اور تاریخ تعمیر پر نظر غائر ڈالنے تو حقیقت سامنے آجائے گی۔

## دنیا کی تعمیر میں مسلمانوں کا حصہ

اسلام کے عہد میں اسپین کے مشہور شہر پہلے کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ شمالی افریقہ میں طرابلس سے لیکر مراکش تک رومیوں نے اپنے بعد کیا چھوڑا تھا اور مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ان کو کیا بنا دیا۔ یہی حال ہر اس ملک کا ہے جو مسلمانوں کے تصرف میں آیا۔ دہلی جیسا آباد اور معمور دار السلطنت چھوڑ کر اگر پاکستان کو کراچی جیسی جگہ ملی اور کلکتہ جیسے معمور اور ترقی یافتہ شہر کو چھوڑ کر اگر پاکستان کو ڈھاکہ جیسا شہر ملا تو گویا قدرت کو یہ دکھانا ہے کہ مسلمان آج بھی اپنی تعمیر و تنظیمی قوتوں کا مظاہرہ کریں اور پاکستان میں نئی دہلی اور نیا کلکتہ آباد کر کے دکھائیں اور قوم جو غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ، بلنسیہ، قیرواں، قاس، طرابلس الغرب، قاہرہ، بغداد، اصفہان، نیشاپور، تہران، غزنین، دہلی، حیدر آباد، بجاپور، احمد نگر، لکھنؤ، علی گڑھ اور دیوبند بنا سکتی ہے وہ کراچی ڈھاکہ، چانگام، ملتان، راولپنڈی اور پاکستان کے غیر آباد علاقوں کو از سر نو بسا کر اور بنا کر ایک نئی دنیا بنا سکتی ہے اور بنا رہی ہے۔ ہماری قوم کیلئے یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ ہم خوش ہیں کہ انگریزوں کے تمام تعمیر کردہ اور بنائے ہوئے کارخانے، ادارے، سوسائٹیاں سب بھارت میں رہیں اور پاکستان کو غیر ترقی یافتہ علاقے ملیں تاکہ وہ اس عہد جدید میں اپنی تعمیر و تنظیمی قوتوں کا دوبارہ مظاہرہ کریں اور تاریخ میں اپنی کوششوں سے نئے ابواب کا اضافہ کریں۔

## اسلامی اکثریت کے صوبے اور انگریزی عہد

انگریزی عہد کے ہندوستان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ چیز واضح ہوگی کہ

انگریزوں کی تجارتی تنظیمیں، تہہ ن اور تعلیمی جدوجہد کے مستحق صرف وہ صوبے  
 سرے جہاں مسلمان اقلیت تھے اور جن صوبوں میں ان کی اکثریت تھی وہ  
 انگریزوں کی نظر التفات سے ہیٹھ محروم رہے۔ غور کیجئے کہ روئی سندھ میں پیدا ہوتی  
 تھی مگر کپڑے بننے کے سارے کارخانے بمبئی کے احاطہ میں تھے۔ جوٹ مشرقی  
 بنگال کی پیداوار تھی مگر اس کے کارخانے سب کلکتہ میں تھے لڑیوالے سپاہی پنجاب  
 میں بھرتی کئے جاتے تھے مگر اسلحہ بنانے کے کارخانے ہندوستان میں تھے۔ یہی حال  
 دوسری چیزوں کا تھا۔ تعلیم کیلئے یوپی میں چھ یونیورسٹیاں ہیں لیکن سندھ، سرحد،  
 مشرقی پاکستان اس سے محروم رہے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی ضرور انگریز کی یادگار ہے مگر  
 معلوم ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی نے اپنی شاہشی میں یہ خود مختاری کبھی پسند نہیں کی۔

ایشیاٹک سوسائٹی کا مرکز کلکتہ اور بمبئی بنے۔ مگر لاہور چھوڑ کر کوئی پاکستانی  
 علاقہ کسی علمی و تعمیری کام کا مرکز قرار نہ پاسکا۔ سندھ کا مرکزی صوبہ مدتوں بمبئی  
 کی گرفت میں رہ کر اپنی ترقیوں سے محروم رہا اور کتنی کوششوں کے بعد اس کو بمبئی  
 سے آزادی ملی۔

## ہندوستان کی علمی سوسائٹیاں بھارت کی

### ملکیت بن گئیں

میں نے ان واقعات کا اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ پاکستان کو اپنی  
 تاریخ آپ بانی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ علمی ادارے جیسے  
 انڈین ہسٹری کانفرنس، انڈین سائنس کانگریس اور دوسرے علمی ادارے اور تجربہ  
 گاہیں اور تحقیقی مراکز جو پہلے قبل از تقسیم ہند میں تھے وہ بھی بھارت کی ملکیت قرار  
 پائیں اور پاکستان کو اس سلسلہ میں بھی اپنی ذاتی کوششوں پر بھروسہ کرنا پڑا۔ تین سال

ہوئے کراچی میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی اس کے بنانے میں جن بزرگوں نے حصہ لیا وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ آنریبل فضل الرحمان اور ڈاکٹر محمود حسین خاں کے نام اس سلسلہ میں خاص ذکر کے قابل ہیں، نیز اس سوسائٹی کے جنرل سیکریٹری ڈاکٹر سید معین الحق کی محنت اور جدوجہد بھی شکریہ کی مستحق ہے، سوسائٹی کی طرف سے کل پاکستان ہسٹری کانفرنس کا پہلا اجلاس کراچی میں بڑے بے سرو سامانی سے ہوا دوسرا اجلاس لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کی سرپرستی میں ہوا اور تیسرا آج ڈھاکہ میں ڈھاکہ یونیورسٹی کی دعوت پر ہو رہا ہے ان اجلاسوں میں جو مضامین پڑھے گئے باوجود دلوں کے عدم اطمینان اور کتابوں کی کمیابی کے وہ ہر طرح حوصلہ افزا ہیں۔

## ہمارے کام

اس وقت ہماری سب سے بڑی کمی کتب خانوں کا نہ ہونا اور کتابوں کی نایابی ہے، پرانی کتابیں بازاروں سے ناپید ہیں، اور جو ملتی ہیں، تجارتی قواعد اور آمدورفت کی مشکلات ان کے حصول میں حائل ہیں، ضرورت ہے کہ بھارت اور پاکستان کی تجارتی وزارتیں علمی و تعلیمی اشیاء کی آمدورفت میں سہولتیں پیدا کریں، اور ان کو روٹی اور جوٹ اور غلہ کی قسم کی اشیاء سے ممتاز کریں کراچی میں اگرچہ اسمبلی لائبریری۔ نیشنل لائبریری اور لیاقت لائبریری کا کام شروع ہو چکا ہے۔ مگر وہ منزل ابھی دور ہے جب وہ تحقیقاتی اغراض کیلئے کارآمد ہو سکیں۔

اسی طرح ہمارے آثار قدیمہ (آرکیالوجی) کے ادارے بھی بالکل نئے ہیں گوکہ ٹیکسلا، مونجوداڑو وغیرہ کے نادر نمونے موجود ہیں۔ تاہم نئی اثری تحقیقات کیلئے ابھی بڑا امید ان کھلا ہے۔ عربوں کے سندھ پر حکومت کے اثرات ابھی تک ریگستان کے ڈھیر میں چھپے ہیں۔ منصورہ اور بیضاء کی نقین نہیں ہو سکی، حتیٰ کہ دانیل کی

مشہور ہندو گاہ کی تلاش میں ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اور عرب اور دیسی حکمرانوں کے سکوں کی بھی ابھی تک دریافت نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ ہمارا محکمہ تحقیقات اثری اپنی کوششوں کو ادھر متوجہ کرے گا، ابھی ان سطروں کے لکھتے وقت معلوم ہوا کہ پشاور کے عجائب خانہ میں عربی کا سب سے پرانا کتبہ موجود ہے جس کی تاریخ سن 226 بتائی گئی ہے، اسی ہفتہ کے اخباروں میں مشرقی پاکستان میں ایک عربی کتبہ کی برآمدگی کی اطلاع ملی جو علاؤ الدین خلجی کے عہد کا ہے اور اس وقت وہ تحصیل کی پجھری میں امانت ہے، ڈھاکہ کے نام کے ساتھ مولانا حکیم حبیب الرحمان مرحوم کی یاد آئی جو مشرقی پاکستان کے مشہور مورخ تھے اور جن کو سکوں کا بھی شوق تھا بنو امیہ سے لیکر سلاطین ہند تک کے سکے ان کے پاس تھے جن کو انہوں نے ڈھاکہ کے آثار قدیمہ کو دے دیا تھا، سندھ کے سومری اور سہ بادشاہوں کے کچھ سکے راجپوتانہ میں ملے اور وہ جیپور کے عجائب خانہ میں ہیں، جن سے بادشاہوں کے بعض ناموں کی تصحیح ہوتی ہے اور ان کی ترتیب میں مدد ملتی ہے۔

## مسلمانوں کا فن تاریخ

مادی تعمیر و ثقافتی اشیاء کی طرح علوم و فنون کی اشاعت بھی مسلمانوں میں بنو امیہ کے زمانہ سے شروع ہوئی، طب کی کتابیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد سے یعنی ہجرت سے سو برس کے بعد ترجمہ ہونے لگیں، مگر تاریخ کا فن وہ ہے جس کا آغاز حضرت امیر معاویہ کے زمانہ سے شروع ہو گیا۔ انہوں نے یمن سے اور دوسرے شہروں سے علماء کو بلوا کر واقعات کی ترتیب کا کام شروع کرایا، علم حدیث و سیر کی کتابیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے کتابوں کی صورتوں میں منتقل ہونا شروع ہوئیں، جس طرح فن حدیث پادداشتوں، رسالوں اور مجموعہ، شیوخ سے شروع ہو کر صحاح و مسابند و سنن کی حد تک تیسری صدی میں پہنچیں، اسی طرح تاریخ بھی پہلے مخصوص

واقعات اور مخصوص قبائل کے احوال سے شروع ہو کر ضخیم مجلدات تاریخ کی صورت میں آئیں ان ندریم کی فہرست سے ظاہر ہو گا کہ ابتدائی تاریخ کی کتابیں صرف چند خاص خاص واقعات کی تدوین تک محدود ہوتی تھیں۔ مثلاً قبیلہ طسم جدیس، مناقب قریش، واقعہ حرہ، مشد و مقتل کربلاء، فتوح شام، فتوح مصر، ابو مخنف، لکن قتیہ ازدی، کلبی، واقدی وغیرہ ابتدائی مورخین ہیں۔ اس کے بعد ابن سعد، محمد بن اسماعیل بخاری وغیرہ کا عہد آتا ہے، اس کے بعد حمزہ اصفہانی یعقوبی، بلاذری وغیرہ کا دور شروع ہوتا ہے پھر جس طرح محدثین میں بخاری پہلے شخص ہیں جنہوں نے تمام مشائخ وار اور شہر وار حدیثوں کو ایک جامع صحیح میں جمع کر کے پوری اسلامی روایات کے ذخیرہ کو یکجا کر دیا۔ اسی طرح طبری پہلا شخص سن (302ھ) ہے جس نے تمام متفرق تاریخی رسائل و حوادث کو یکجا کر دیا۔ اور ساتھ ہی کوشش کی کہ ایرانی رومی و اسرائیلی تاریخوں کو بھی جو اسلام سے پہلے تھیں اسلام کے ظہور کی تاریخ سے پہلے جمع کر دے تاکہ وہ پوری دنیا کی تاریخ ہو سکے، طبری چوں کہ محدثانہ مذاق کے آدمی تھے اسلئے ان کی کوششیں صرف جمع روایات تک محدود تھی لیکن مسعودی 340ھ حکیمانہ مزاج کا آدمی تھا، اس لئے اس کی تصنیفات کی جامعیت میں علمی اغراض و مقاصد بھی مد نظر رہیں گو اس کی اصلی کتاب انبا الزمان ملتی نہیں تاہم مروج الزہب بھی مختلف حیثیتوں سے عربی میں دنیا کی پہلی جامع تاریخ ہے، اس کی کتاب التنبیہ والاشراف شرفائے خاندان کی سیاسی تاریخ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کن کن عرب خاندانوں نے اسلامی حکومتوں کے بنانے اور چلانے کے کیا کیا کام انجام دیئے مسعودی کے زمانہ تک یعنی ساڑھے تین سو صدیوں میں جو تاریخیں لکھی گئیں تھیں ان کا اندازہ اس سے ہو گا کہ مسعودی نے اپنی تاریخ مروج الزہب کے آغاز میں اپنی تاریخ کے اٹھاسی تاریخی مآخذوں کا حوالہ دیا ہے، دسویں صدی کے آغاز میں حاجی خلیفہ چلپی نے اپنی فہرست

کتب میں تاریخ کے نیچے کتابوں کے جو نام لکھے ہیں ان کی تعداد بارہ سو کے قریب ہے جو عربی و فارسی و ترکی زبانوں میں لکھی گئی ہیں حالانکہ یہ فہرست نامتتام ہے۔

## فلسفہ تاریخ

فلسفہ تاریخ کے سلسلہ میں اگرچہ ابن خلدون کا نام سب سے روشن ہے مگر یہ سمجھنا کہ ابن خلدون نے بغیر کسی دھند لکے کے خود یک ایک یہ روشنی دفتہ پیدا کر دی تدریجی ارتقاء کے اصول کے خلاف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصول محدثین پہلے پیدا کر چکے تھے ابن خلدون کا کام یہ ہے کہ وہ ان اصولوں کو تاریخ میں رائج کرنے کی کوشش کی البتہ اس کی ایجاد اقلیمی خصوصیات اور سیاسی عصبیات اور اقتصادی مسائل کا تاریخ سے جوڑ پیدا کرنا ہے اور اس میں بھی اولیت کا سراغ اس سے چار صدیاں پہلے ملتی ہیں چنانچہ ابن مسکویہ نے اپنی تاریخ کا تہاراب الامم نام رکھنا اس واقعہ کی غمازی کرتا ہے۔

## ثقافتی تاریخ

ثقافتی تاریخ کے باب میں مقریزی کی کتاب الخطط والاعمار سب سے اہم چیز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس پرداز پر اس نے یہ مصر کی تاریخ لکھی اس طرز پر اگر ہر اسلامی ملک کی تاریخ لکھی جاتی تو ہمارے پاس معلومات کا بڑا سرمایہ ہوتا۔

## مسلمان جس ملک میں پہنچے اس کو منور کر دیا

مسلمانوں نے فن تاریخ میں جو ترقیاں کیں انکی ایک نین مثال یہ ہے کہ جس ملک میں بھی پہنچے اس کو تاریخ کی روشنی میں اجاگر کر دیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے اس ملک میں اندھیرا پھیلا تھا مسلمانوں نے آکر مشعل جلادی عرب ایران

مصر و شام و عراق مغرب، اپین، ہندوستان، ہر جگہ ان کے دم قدم سے تاریخ کی روشنی ہے ورنہ اسلام سے پہلے کا سرمایہ افسانوں کہانیوں اور دیو مالا کے سوا اور کچھ نہ تھا

## عرب اور عجم مور خین کا فرق

عرب اور عجم مور خین کی ذہنی ساخت میں یا تو فرق ہے یا دونوں قوموں کی نسلی خصوصیات کا تقاضا ہے کہ عرب مورخ صرف شاہی درباروں میں مقید نہیں رہتا بلکہ وہ بازاروں میں بھی آتا ہے عوام سے بھی ملتا ہے علماء کی محفلوں میں بھی جاتا ہے مشائخ کے حلقوں میں بھی جاتا ہے، حکما اور فلاسفہ سے بھی اس کی علیک سلیک ہوتی ہے مگر عجمی مورخ شاہانہ قصر و ایوان اور شاہانہ درباروں سے بہت کم باہر نکلتا ہے اور دوسرے اصناف انسان سے اس کی ملاقات اسی وقت ہوتی ہے جب وہ شاہانہ درباروں تک پہنچتا ہے، اسی لئے عربی تاریخوں میں جو وسعت ہے وہ فارسی تاریخوں میں نہیں اور اسی کا اثر ہے کہ ہندوستان میں مسلمان مورخوں کی تاریخ سلاطین کے حدود حکومت کی زنجیروں میں جکڑی ہے، البتہ شعراء نے اپنی بزم الگ سجائی تھی، مگر مشاعروں کی واہ واہ کے سوا وہاں کچھ اور نہیں سنائی دیتا اسی طرح مشائخ نے بھی اپنے حلقوں میں شمع نورانی جلائی مگر وہاں بھی حال و قال اور کرامات کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ انتہاء یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں علما، فقہا، محدثین، مفسرین حکماء اور اطباء اور مہندسین کے تذکروں سے ساری بیاضیں خالی ہیں، اگر ایک میر غلام علی آزاد کی شخصیت آخر میں ظاہر نہ ہوتی۔ تو وہ اہل کمال جو درباروں تک پہنچ نہ سکے تھے ان کا نام و نشان بھی ہم نہیں سن سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جہاں تک دوسرے ملکوں کے علماء اور اہل کمال کے احوال کی واقفیت کا سوال ہے ہم ہندوستان کے اہل کمال سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں آخر میں ہمارے عہد کے مولانا سید عبدالحی صاحب نے بارہ جلدوں میں ہندوستان کے علمائے اسلام کی تاریخ بڑی محنت سے مرتب کی، جس کی



اشاعت حیدر آباد کی قدردانی پر موقوف تھی دو جلدیں اس کی چھپ گئیں باقی کیلئے دنیا اب منتظر رہے گی اور ڈر ہے کہ قلمی نسخہ دست برد زمانہ سے گم نہ ہو جائے کیا ہم یہ امید کریں کہ پاکستان کی قدردانی ان کے تمام کاموں کو پورا کرے گی جن کو ہندوستان کی اسلامی ریاستوں نے نامتام چھوڑا ہے۔

## مشرقی پاکستان کی تاریخ

مشرقی پاکستان کی گو بعض اسلامی یادگاریں جو پنڈوہ، لکھنؤ کی اور مرشد آباد میں واقع ہیں وہ مغربی بنگال میں شامل ہو گئی ہیں پھر بھی مشرقی پاکستان کی یادگاروں کی اہمیت اب بھی کم نہیں ہوئی ہے۔ خود مشرقی بنگال کی تاریخ بہت کچھ تکمیل کی محتاج ہے ریاض السلاطین کے مختصر سے اور متاخر میان سے عقدے نہیں کھلتے، بنگال کی خود مختار اسلامی سلطنت کا حال بہت کم معلوم ہے۔ قطب الدین نہروالی کی کتاب تاریخ امراء بلدہ الحرام سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنگال کی اس اسلامی سلطنت کے بحری تعلقات حجاز سے وابستہ تھے اور وہاں بنگال کی اس اسلامی سلطنت کی طرف سے ایک مذہبی علمی درسگاہ قائم تھی، دوسری طرف اس سلطنت کا بحری تعلق مملکت ایران کے ساتھ قائم تھا جس کا مشہور عام واقعہ حافظ شیرازی کی بنگال آنے کی دعوت ہے۔ جس کے جواب میں حافظ نے وہ مشہور غزل لکھ کر بھیجی جس کا پہاڑ زبان زد عام شعر ہر شخص کو معلوم ہے۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی بنگال کی سیر سے مشرف ہوا۔ اس نے لکھا ہے کہ ترکستانی ایرانی سیاح بنگال کو ”جنم پراز نعمت“ کہتے ہیں۔ غالباً ان کا اس کو جنم کہنا موسم کی سختی کے سبب ہوگا، مگر بہر حال ”پراز نعمت“ تو تھا اور محمد نذ کہ بنگال کی یہ نعمتیں اب بھی قائم ہیں اور ان میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے۔ آٹھویں صدی کے عرب جہاز راں عرب ساحلوں سے چائگام آیا کرتے تھے اور اس کو وہ صادقام کہتے تھے۔ ابن بطوطہ نے

اس کو سد گاؤں لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ اس کا ہندی نام ست گاؤں اور ست گرام ہو گا۔ گرام ہندی میں گاؤں کو کہتے تھے اور گاؤں گرام ہی کی شکل ہے جو اکثر ہندوستانی آبادیوں کے نام کا جز ہے، جیسے گرام، نگر، بنگام، آج کل انگریزی لب و لہجہ نے اس کو چٹا گنگ بنا دیا ہے اور افسوس ہوتا ہے جب عربی اخبارات میں اسی غلط انگریزی تلفظ کی تقلید کی جاتی ہے۔ عربی جغرافیہ میں سلطنت کا نام سلاطنت ملتا ہے۔

مشرقی پاکستان میں علما، فضلا اور اہل کمال کی بڑی تعداد گزری ہے، مگر افسوس ہے کہ ہندوستان کے اہل علم کے حلقہ تک ان کے نام نہیں پہنچے، قاضی رکن الدین سمرقندی کا ایک کارنامہ ملتا ہے جن کے فیض سے ایک ہندو جوگی نے جامع مسجد لکھنؤ میں اسلام قبول کیا اور اس نے ان کی خاطر کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ فارسی میں کیا جس کا نام ماء الحیات ہے اور اب اس کا ترجمہ اردو میں بھی ہو چکا ہے، مگر افسوس ہے کہ ان قاضی صاحب اور اس مترجم کے حال سے ہم ناواقف ہیں، ہم کو یہ بھی معلوم ہے صوبہ بہار کے مشہور صوفی عالم و حکیم و محقق شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنی تعلیم کا زمانہ بنگال میں بسر کیا اور یہیں اپنی تعلیم کی تکمیل کی، مگر افسوس ہے کہ ان کے ان نامور اساتذہ کے حالات سے ہم ناواقف ہیں جن کے دامن میں ایسا نامور فاضل عہد پیدا ہوا، ابھی ایک عزیز کے خط سے معلوم ہوا کہ لکھنؤی کے سلطان نگر خان کا درباری فارسی شاعر شمس دیر اتنا مقبول تھا کہ امیر خسرو نے اس کی مدح میں قصیدہ لکھا۔ بہت سے ایسے باکمال علما اور مشائخ روزگار ہیں جو مغربی پاکستان یا دہلی سے بنگال آئے اور یہیں رہ بس گئے جن میں سے شیخ علاؤ الدین لاہوری بنگالی پنڈوی التونی سنہ 800 اور ان کے پڑے شیخ نور الدین پنڈوی بنگالی التونی سنہ 813 مشہور ہیں، شیخ نور الدین پنڈوی بنگالی نے اپنے مکتوب میں ایک فارسی شعر کا ترجمہ کیا ہے فارسی شعر یہ ہے۔

ہم شب بزم اریم شد کہ صبا مذاہب نے  
ہم شب بزم اریم شد کہ صبا مذاہب نے  
ہم شب بزم اریم شد کہ صبا مذاہب نے  
ہم شب بزم اریم شد کہ صبا مذاہب نے

مجھے معلوم نہیں اس میں بنگالی زبان کا اثر کس قدر ہے۔

## بنگالی زبان اور خط کا اسلامیّت سے بُعد

بنگالی زبان پہلے تحریری زبان نہ تھی یہ بنگال کے مسلمان سلاطین ہیں، جنکی کوششوں نے بنگالی زبان کو تحریری زبان بنایا، اور اس میں بعض کتابیں لکھوائیں اور ترجمہ کرائیں، بنگالی ہندو مورخ مسٹر لانے اپنی کتاب پر موشن آف لرننگ انڈر مسلم رول میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، مگر مسلمان اس زبان کو عربی رسم الخط میں لکھتے تھے اور اس قسم کی پرانی قلمی کتابیں اب بھی موجود ہیں اگر یہ عمل انگریزوں کے عہد انقلاب میں بھی جاری رہتا تو آج اس صوبہ میں اسی طرح بنگالی اردو بولی جاتی جس طرح ہم گجراتی اردو اور دکنی اردو اور بہاری اردو بولتے سنتے ہیں، مگر انگریزی عہد میں ہندو بنگالیوں نے انگریزی تعلیم میں سبقت کی اور بنگالی زبان کو جدید اصطلاحات اور محاورات سے سنوارا اور اس کا رسم الخط ہندی کے قریب بنایا اور نئے الفاظ خالص سنسکرت ماخذ سے لینے لگے اور عربی و فارسی لفظوں کو زبان سے خارج کیا تو وہ ایک نئی زبان بن گئی جو خالص ہندو ذہنیت سے معمور ہو گئی جو سنسکرت الفاظ، ہندو دیوتاؤں اور دیومالاؤں اور خیالات سے لبریز ہو گئی، اور اسلامیّت سے خالی ہو گئی۔ جب مسلمانوں نے نئی تعلیم حاصل کی تو یہی سنسکرتی بنگالی زبان انہوں نے سیکھی اور پڑھی اور وہی فصاحت و انشا پر دازی کا معیار بن گئی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال کے مسلمان باقی ہندوستان کے مسلمانوں سے کٹ گئے اور ان تحریکات و اصلاحات سے بے گانہ اور ناواقف رہ گئے جو سارے ہندوستان کے مسلمانوں میں پھیل رہے تھے اور ان کو ملت واحدہ بنا رہے تھے اور افسوس ہے کہ یہ صورت حال اب تک قائم ہے۔ اور آج پاکستان کی تعمیر میں یہ اجنبیت اور بیگانگی خارج ہو رہی ہے۔ میرے خیال میں بنگالی مسلمانوں کو سارے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ملت بننے کیلئے ضروری ہے کہ سارے پاکستان کا ایک ہی خط ہو اور وہ عربی رسم الخط نسخ ہے۔ جس میں پشتو، سندھی، اور پنجابی لکھی جاتی

ہے اس کا اثر یہ ہے کہ ان صوبائی زبانوں کے نہ جاننے والے عربی رسم الخط اور مشترک عربی و فارسی الفاظ کی بنا پر عبارت کا حاصل مطلب آسانی سمجھ لیتے ہیں۔ اگر ہنگال کے مسلمان ہنگالی خط بدل لیں تو وہ سارے پاکستان کو ایک بنا سکتے ہیں اور قرآن کیلئے عربی رسم خط اور زبان کیلئے ہنگالی رسم خط سیکھنے میں بچے دہری محنت سے بچ جائیں گے۔

## اسلامی ہنگال میں علما کا حصہ

اس وقت مشرقی پاکستان میں ہندوستانی مسلمانوں کی اصلاحی تحریکات سے جو واقفیت اور آگاہی ہے اس کا ذریعہ عربی در سگاہوں کے علما اور طلبہ ہیں جو ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں ہندوستان کی عربی در سگاہوں میں جایا کرتے تھے اور بہت کچھ وہاں سے لیکر اپنے وطن کو واپس آتے تھے اور ان کو اپنے وطن میں پھیلاتے تھے۔ لیکن ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو مگر وہ انگریزی در سگاہوں کی تعداد سے بہت کم تھی۔ جو ان تحریکات سے واقفیت کو کوئی ذریعہ نہیں رکھتے تھے، کیونکہ وہ اردو سے ناواقف تھے اور ہیں اور انگریزی اس ذخیرہ سے خالی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کی تحریکات، مولانا اسماعیل شہید کی دعوت، سر سید اور علی گڑھ کی دعوت۔ ہندوستانی مسلمان مفکرین و مصنفین کے خیالات و افکار سے تاثر مشرقی پاکستان میں اسی لئے بہت کم ہے، اور اسلام کا یہ سب سے آباد خطہ اسلامی مرکوزوں سے بالکل میکانہ بنا ہوا ہے اور ہنگالی دنیا کے اندر جس کی زمین و آسمان پر ہندو تخیل اور سنسکرتی تصورات چھائے ہوئے ہیں وہ گھر کر رہ گیا اور ساری اسلامی دنیا سے کٹا ہوا ہے۔

## مشرقی پاکستان میں ملت واحدہ کا تصور

پاکستان کی دعوت اس صورت حال کی اصلاح کی دعوت ہے، یہ مسلمان قوموں اور ملکوں کو ایک ساتھ ملا کر واحد ملت کی تشکیل کرنا چاہتا ہے، اس لئے ضرورت

یہ ہے کہ اس دعوت کی تکمیل کے لئے ہم اپنی تاریخ پر اصلاحی نظر ڈالیں اور اس کو اس صورت میں ترتیب دیں جس سے پاکستان کی دعوت کا مقصد پورا ہو۔

## پاکستان کے مورخوں کا فرض

حضرات! پاکستان کے قیام کے بعد ملت کا ہر صاحب فن اپنی اپنی قوت و استعداد کے مطابق پاکستان کی تعمیر میں مصروف ہے، 'تجارتی'، 'صنعتی'، 'زراعتی'، 'تعمیری'، 'ادبی'، 'عملی'، 'سائنسی'، 'فلسفی' ہر گوشہ، 'علم و فن' کے واقف کار پاکستان کی تعمیر میں مصروف ہیں، دوسرے اہل فن کے ساتھ ساتھ یہاں کے مورخوں پر بھی بہت سے فرائض عائد ہوتے ہیں تاریخ نویسی کے اس طرز کو بدلتا ہے جس کو انگریزی سیاست نے یہاں رائج کیا، جس نے ملک میں تفریق کا بیج بویا اور جائے اس ملک کی بلندی اور رفعت کے انگریزی راج کے جاہ و جلال اور شان و شکوہ اور عدل و انصاف اور بحالی امن و امان کی تشہیر کا کام اس فن سے لیا گیا، جس سے ملک خود اہل ملک کی آنکھوں میں ذلیل اور سات سمندر پار کے ملک ان کی نگاہوں میں معزز بنایا گیا، ملک کے پورے سابق عہد حکومت کو صرف تاریکی اور ظلمت ظاہر کیا گیا تاکہ انگریزی راج کا کارنامہ روشن نظر آئے، اور ان مکاریوں اور فریبیوں پر پردہ پڑ جائے جس کے ذریعہ سے بیرونی لوگوں نے اس ملک کی دولت و صنعت و حکومت پر قبضہ پایا۔

## سابق فرامین شاہی کا سرمایہ

ہندو پاکستان کے تاریخی سرمایہ کا ایک بڑا اور اہم حصہ فرامین شاہی ہیں جو اب بھی ہندو مسلم ممتاز خاندانوں مندروں اور خانقاہوں میں موجود ہیں سرسید مرحوم کے زمانہ سے لیکر مولانا شبلی مرحوم کے عہد تک برابر اس کی تجویز مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوۃ العلماء کے جلسوں میں منظور ہوئیں اور کبھی ان کی نمائش بھی کی گئی مگر ابھی تک

یہ فراہم ہو کر اور آڈٹ ہو کر فوٹو اور تشریح و نقشہ کے ساتھ شائع نہیں ہوئے، اگر یہ فراہم ہو کر اور آڈٹ ہو کر شائع ہوں تو ہندو پاکستان کی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات منظر عام پر آجائیں۔

## فن تاریخ کی تکمیل کے لئے پاکستان اور بھارت کا تعاون

حضرات! ہندو پاکستان کی تقسیم سے گو بہت سے سیاسی و انتظامی و تجارتی مسائل میں انقلابات پیدا ہو گئے ہیں، مگر جہاں تک علم و فن کا تعلق ہے وہ قوموں کی تقسیم سے تقسیم نہیں ہوتے، وہ پوری دنیا کی ملکیت ہیں اور وہ ایک دوسرے سے طبعاً وابستہ ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ تاریخ کہ وہ واقعات اور ان کے نتائج کا مجموعہ ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ دونوں ملکوں کے اہل فن باہمی تعاون اور تقاہم سے اس کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہوں اور تاریخ کو علم کے جائے سیاست کی شاخ نہ بنائیں اور واقعات کی تشریح و تفصیل میں ایسی راہ اختیار کریں جو صداقت سے دور نہ ہو اور دو ملکوں یا دو قوموں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے بجائے دور سے دور تر نہ کریں۔

آل پاکستان ہسٹری کانفرنس کا یہ اجلاس ہمارے لئے ایک خوش آئند منظر ہے اور ہم کو اس سے ایک شاندار مستقبل کا چہرہ دور سے دکھائی دیتا ہے۔

(آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

سید سلیمان ندوی

27 فروری 1953 ع

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ  
کی شہرہ آفاق کتاب

# انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

جو اس وقت دنیا کی چھ زبانوں (عربی، انگریزی، فرنگی، اردو، فارسی، ترکی) میں پڑھی جا رہی ہے اور جس کے متعلق مشہور مستشرق پروفیسر سار جینٹ (کیمبرج یونیورسٹی) کو بسنا پڑا کہ اگر برطانیہ میں کسی کتاب کی درآمد پر پابندی لگانے کا رواج ہوتا تو میری سفارش ہوتی کہ اس کتاب کے داخلے پر پابندی عائد کی جائے اس لئے کہ اس کتاب میں صرف مغربی تہذیب کی مذمت کی گئی ہے جس کو پڑھ کر مغربی دنیا کے نامور فاضل لندن یونیورسٹی میں مڈل ایسٹ سیکشن کے چیرمین ڈاکٹر جیکس نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ اس صدی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جو کوشش بہتر سے بہتر طریقے پر کی گئی ہے یہ اس کا نمونہ اور تاریخی دستاویز ہے۔

جس کو پڑھ کر عالم اسلام کے نامور مفکر اور مشہور صاحب قلم سید قطب شہید نے ان الفاظ میں داد دی کہ اس موضوع پر تمام قدیم و جدید لٹریچر میں چند بہترین کتابیں جویری نظر سے گزری ہیں ان میں یہ کتاب خاص مقام رکھتی ہے، یہ کتاب تاریخ نویسی کا ایک کامیاب نمونہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو یورپ کے اسلوب نگارش سے بے نیاز ہو کر تاریخی مباحث پر کس طرح قلم اٹھانا چاہیے اور کس انداز سے اس کو مرتب کرنا چاہیے۔

جس کو مشرق وسطیٰ کی عظیم تحریک اخوان المسلمین نے اپنے تربیتی کورس میں داخل کیا اور سعودی عرب کی وزارت تعلیمات نے اپنے کالجوں کے نصاب میں جگہ دی۔  
جو مشرق کے لئے ایک تازیانہ اور مغرب کے لئے ایک چیلنج ہے۔

ناشر: فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام  
۲۰ ناظم آباد نیشنل ٹائم بازار کراچی  
فون نمبر 6801817